ماہنامہ

قلندر شعور

اگست ۲۰۲۰ء

سکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور روح کے عرفان کے بغیر سکون نہیں ملتا

شہنشاہ ہفت اقلیم تاج الدین باباؒ

مانَس ہے سب آتما، مانَس ہے سب راکھ
بِندی کی گنتی نہیں، بِندی میں سو لاکھ

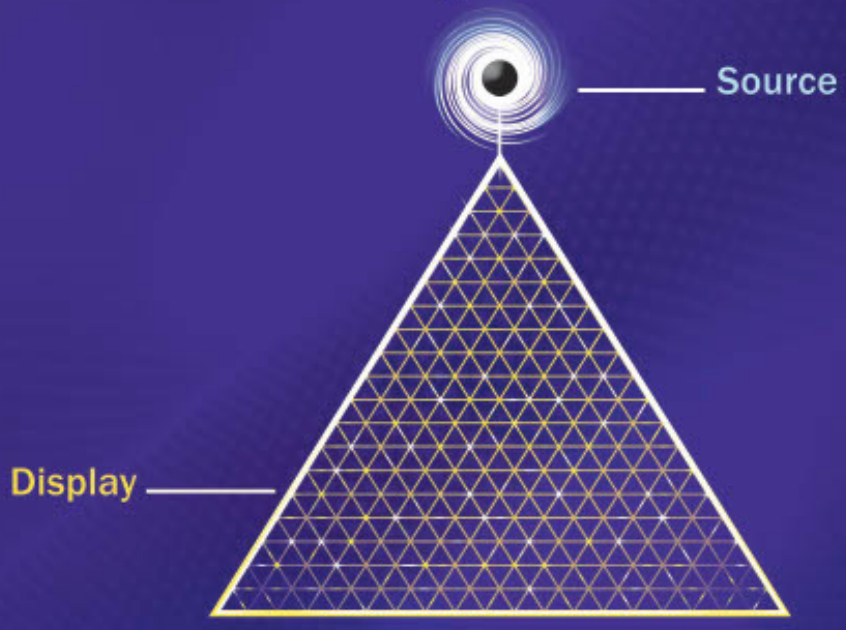

ک △ ن ف ی ک و ن

قانون: ہر تخلیق دائرہ اور مثلث میں بند ہے۔ روح کے اوپر دائرہ غالب ہے اور ـــــ روح کے بنائے ہوئے لباس ''جسم'' پر مثلث غالب ہے۔

جلد 8 شمارہ 7 | اگست 2020ء | ذوالحج ـ محرم 1441ـ1442ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ شعور کراچی

قلندر شعور

Neutral Thinking

(اردو ـــ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاءؒ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیم

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

بااہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ـــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 80 روپے..... سالانہ ہدیہ 1080 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ، بیرونِ پاکستان 70 امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔ فون نمبر: 6912020 213(0) 92+

۳۶ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ ــــــ شیخ الشیوخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ 10

نعت رسول مقبول ﷺ ــــــ حفیظ تائبؔ 11

رباعیات ــــــ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ 12

آج کی بات ــــــ مدیر مسئول 14

فقیر کی ڈاک ــــــ ادارہ 19

نامے میرے نام ــــــ خانوادہ سلسلہ عظیمیہ 22

سائنسی نکات ــــــ تالیف: قرۃ العین واسطی 25

 ــــــ (M.A-Fine Arts) حامد ابراہیم 29

تلاشِ یار ــــــ سیماب اکبر آبادی 35

پیراسائیکالوجی سے مسائل کا حل ــــــ خواجہ شمس الدین عظیمی 41

بھاگ جا کالی موت ــــــ عابد محمود 45

کس نے کہا اور کس نے سنا ــــــ عرفانہ شہزاد 49

بانجھ پن ــــــ (یو اے ای) بے نظیر ممتاز 55

ہم کیا دیکھتے ہیں ـــ؟ ــــــ (MBA) سید اسد علی 61

سوچ میں سوچ ــــــ (Ph.D.) ڈاکٹر نعیم ظفر 67

دریا پی کر جو پیاسا ہے ــــــ بی بی انور رادھا 75

حضور پاکؐ کا ارشادِ گرامی ــــــ نادیہ افتخار 83

حافظہ ساتھ نہ دے تو۔۔۔؟ ـــــــ نیرّ اعظم 89

اماں مریمؒ ـــــــ شازیہ رشید 93

اندر میں سیر کیجئے ـــــــ بلال حسن 99

مئی ۔ جون 2020ء کے سرورق کی تشریح ـــــــ قارئین 105

پوتوں اور نواسوں کا سوال ـــــــ ملک محمد ناصر 109

آگ میں بارش۔۔۔بارش میں آگ ـــــــ (M.Sc-Zoology) زاہدہ تبسم 113

اقتباسات ـــــــ قارئین 119

پورب کے ہم زاد ـــــــ (M.Sc-Applied Physics) محمد عدنان خان 121

اللہ میاں کے باغ کے پھول۔۔۔

- اولی الالباب بچے ـــــــ ادارہ 127
- ایک وقت میں۔۔۔دو جگہ ـــــــ ارسلان علی 129
- پھر کیا ہوتا ہے؟ ـــــــ طالع یار 131

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر ـــــــ عظیمی خواجہ شمس الدین 135

146 Bibi Anuradha (UAE) ——— Circle of Life

149 Mahnoor Arif ——— Mother Nature's Court

155 Shazia Ali ——— The Soul and Science

159 Abdul Rauf ——— The Sower and the Seeds

165 Sohail Ahmed ——— It is All in Two Plates

168 Extracted ——— Prophet Muhammad (PBUH)

172 Abdal-e-Haq Qalandar Baba Aulia (RA) ——— Words of His Excellency

حمد باری تعالیٰ

شیخ الشیوخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

الٰہی! میں ہوں بس خطاوار تیرا
مجھے بخش! ہے نام غفار تیرا

مرض لادوا کی دوا کس سے چاہوں
تو شافی ہے میرا میں بیمار تیرا

کہاں جائے جب کہ نہ ہو کوئی تجھ بن
کسے ڈھونڈے جو ہو طلب گار تیرا

خبر لیجیو میری اس دم الٰہی
کھلے جب کہ بخشش کا بازار تیرا

نہ ڈر دشمنوں سے رہا مجھ کو جب سے
کہا تو نے میں ہوں مددگار تیرا

الٰہی! رہے وقت مرنے کے جاری
بہ تصدیق دل لب پر اقرار تیرا

نہیں دونوں عالم سے کچھ مجھ کو مطلب
تو مطلوب میں ہوں طلب گار تیرا

نہ ڈر فوج عصیاں سے گرچہ بہت ہے
کہ ہے رحم حق کا مددگار تیرا

نعت رسول مقبول ﷺ

حفیظ تائبؔ

خوشبو ہے دو عالم میں تری اے گل چیدہ
کس منہ سے بیاں ہوں ترے اوصاف حمیدہ

سیرت ہے تری جوہر آئینۂ تہذیب
روشن ترے جلووں سے جہان دل و دیدہ

تو روح زمن رنگ چمن ابر بہاراں
تو حسن سخن شان ادب جان قصیدہ

تجھ سا کوئی آیا ہے نہ آئے گا جہاں میں
دیتا ہے گواہی یہی عالم کا جریدہ

مضمر تری تقلید میں عالم کی بھلائی
میرا یہی ایماں ہے یہی میرا عقیدہ

اے ہادی برحقؐ تری ہر بات ہے سچی
دیدہ سے بھی بڑھ کر ہے ترے لب کا شنیدہ

اے رحمت عالمؐ تری یادوں کی بدولت
کس درجہ سکوں میں ہے میرا قلب تپیدہ

خیرات مجھے اپنی محبت کی عطا کر
آیا ہوں ترے در پہ بہ دامان دریدہ

یوں دور ہوں تائبؔ میں حریم نبویؐ سے
صحرا میں ہو جس طرح کوئی شاخ بریدہ

مٹی میں آباد دنیائیں

مٹی کی لکیروں میں ہزاروں در ہیں
گر جھانکئے، کتنے میکدے اندر ہیں
مینا ہے، شرابِ ناب ہے، ساقی ہے
ذرّوں پہ جو غور کیجئے، ساغر ہیں

''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں اللہ کی نشانیوں میں غور کرتے ہیں اور پکار اٹھتے ہیں کہ پروردگار تو نے یہ سب بے مقصد نہیں بنایا۔'' ('ال عمرٰن : ۱۹۰۔۱۹۱)

زندگی کے بارے میں روحانیت کے نظریہ کو ہم عام لفظوں میں unconventional کہہ سکتے ہیں کیوں کہ اہلِ روحانیت کے مطابق زندگی اپنی ابتدائی شکل میں ہر چیز میں موجود ہے۔ اگر چہ ذرّوں کی زندگی کی منازل آدمی کی نظر سے مخفی ہیں لیکن جب روحانی انسان شہود کی نگاہ (باطنی نگاہ یا تیسری آنکھ) استعمال کرتا ہے تو اسے ذرّے کی اتھاہ گہرائیوں میں زندگی کی چہل پہل اور رونق اسی طرح نظر آتی ہے جیسے دنیا کے کسی مصروف بازار میں دیکھی جاتی ہے۔

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ نے اس رباعی میں کچھ اس طرح کے خیالات کا اظہار کیا ہے کہ انہیں مٹی میں بنی ہوئی لکیروں میں ہزاروں دروازے نظر آتے ہیں، ان دروازوں کے اندر کئی میکدے نظر آتے ہیں جہاں دیگر وسائل بھی اسی طرح موجود ہیں جس طرح اس دنیا میں ہیں۔

روحانیت کی زبان میں مٹی کا مطلب صرف مٹی نہیں بلکہ یہ ایک ایسا مظہر ہے جس میں تخلیقی فارمولے برسرِ عمل ہیں اور ردّ و بدل ہو کر مختلف خدوخال کا روپ اختیار کرتے ہیں۔ بظاہر تخلیق مٹی سے مرکب نظر آتی ہے لیکن اس کے پس پردہ جو روشنیاں اور فارمولے کام کر رہے ہیں وہ احسنِ تقویم ہیں۔

مٹی کے یہ ذرّات ایک ہی ہیں لیکن ان ذرّات کی مقداروں میں ردّ و بدل سے طرح طرح کی تخلیق وجود میں آ رہی ہے۔ مٹی کے یہ ذرّات کہیں سرو و سمن، کہیں کوہ و دمن اور کہیں خوش الحان پرندے بن جاتے ہیں اور جب بظاہر مٹی کے یہ بے جان ذرّات زندگی کو اپناتے ہیں تو رنگ رنگ کائنات میں بکھر جاتے ہیں اور ان ہی رنگوں سے جیتی جاگتی دنیا عالمِ وجود میں آ جاتی ہے۔

آج کی بات

تغیر کی بساط الوژن ہے۔ الوژن ــــ شک اور وسوسوں کے تانے بانے سے بنا ہوا پردہ ہے جس میں زمین و آسمان کی ہر شے گھٹتی بڑھتی نظر آتی ہے۔ پردے کے پیچھے حقیقی دنیا پوری آب و تاب کے ساتھ آباد، اور گھٹنے بڑھنے سے ماورا ہے۔

شہنشاہ ہفت اقلیم بابا تاج الدین ناگپوریؒ نے ایک بار مہاراجا رگھوراؤ سے فرمایا:

''میاں رگھوراؤ! ہم سب جب سے پیدا ہوئے ہیں ستاروں کی مجلس دیکھتے رہتے ہیں۔ شاید ہی کوئی رات ایسی ہو کہ ہماری نگاہیں آسمان کی طرف نہ اٹھتی ہوں۔ بڑے مزے کی بات ہے، کہنے میں یہی آتا ہے کہ ستارے ہمارے سامنے ہیں، ستاروں کو ہم دیکھ رہے ہیں، ہم آسمانی دنیا سے روشناس ہیں۔ لیکن ہم کیا دیکھ رہے ہیں اور ماہ و انجم کی کون سی دنیا سے روشناس ہیں، اس کی تشریح ہمارے بس کی بات نہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں، قیاس آرائی سے زیادہ نہیں ہوتا۔ پھر بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں۔ زیادہ حیرت ناک امر یہ ہے کہ جب ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ انسان کچھ نہ کچھ جانتا ہے تو قطعاً یہ نہیں سوچتے کہ اس دعوے کے اندر حقیقت ہے یا نہیں۔''

بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے ارشاد گرامی میں آسمانی دنیا سے متعلق شعوری معلومات کی نفی ہوتی ہے اور اس کا سبب قیاس آرائی یعنی الوژن ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاؒ کے نانا، بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے ارشاد گرامی کو سمجھنے کے لئے ''آج کی بات'' میں کوشش کی گئی ہے کہ گفتگو میں جو رموز مخفی ہیں، وہ بیان ہو جائیں۔

استاد نے شاگرد سے کہا، کبھی چاند دیکھا ہے ــــ؟

شاگرد نے یقین سے بتایا، جی! دیکھا ہے۔

پوچھا، کیسا نظر آتا ہے ــــ؟ شاگرد کے ذہن میں سیاہ آسمان پر سفید چاند کی تصویر آئی۔ دودھیا کرنوں کی پتلی موٹی دھاریں سیاہی سے مل رہی تھیں اور وصل کا خمار طاری تھا۔

چاند کے سحر میں گم شاگرد نے عرض کیا، دل فریب!

استاد نے زوردار آواز میں فرمایا، شاباش! تم نے دریا کوزے میں بند کر دیا۔

تعریف پر سینہ فخر سے پھول گیا مگر اگلے لمحے چہرے پر سے مسکراہٹ غائب ہوگئی جب استاد نے انکشاف کیا، تم چاند کو جس طرح دیکھتے ہو، وہ دل ــــ فریب ہے۔

شاگرد نے تذبذب سے پوچھا، میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔

لیکن بیٹا! میں سمجھ گیا ہوں۔

شاگرد نے ملکوتی چہرے پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے کھڑکی سے افق پر چاند دیکھا۔

کرنیں آسمان پر نزاکت سے پھیل رہی تھیں کہ ستارے مخمور تھے۔

اس دوران بادلوں کا لشکر گزرا اور چاند چھپ گیا۔

استاد نے پوچھا، اب کیا دیکھا ــــ؟

شاگرد بولا، آج گیارہویں کا چاند ہے۔

استاد نے زیرلب مسکراتے ہوئے فرمایا، جب پہاڑ نما بادل چاند پر سے گزر رہے تھے، تب کون سے دن کا چاند تھا ــــ؟

الفاظ میں گہرائی کا اندازہ ہوتے ہی شاگرد کا ذہن ماؤف ہوگیا۔

توقف کے بعد عرض کیا، چاند وہاں نہیں تھا ــــ غائب ہوگیا تھا۔

تعجب سے فرمایا، اچھا! کیا غائب ہونے کا مطلب نہ ہونا ہے ــــ؟

شاگرد بولا، نہیں ــــ وہ بادلوں کے پیچھے تھا۔ بادلوں نے اسے ڈھانپ لیا تھا۔

بیٹا! پھر کیا ثبوت ہے کہ جس کو تم نے گیارہویں کا چاند سمجھا، وہ گیارہ دن کا ہے؟ دیکھو! چاند مکمل شکل میں اپنی جگہ موجود ہے۔ جتنا تمہیں نظر آرہا ہے، اس کا بقیہ حصہ تمہارے لئے غیب ہے۔ شعوری نظام برقرار رکھنے کے لئے قدرت روز چاند کے آگے پردہ لے آتی ہے۔ پردہ روز بروز بڑھتا ہے یہاں تک کہ باریک لکیر رہ جاتی ہے جسے تم پہلے دن کا چاند کہتے ہو۔ پھر یہی پردہ کم ہونے سے چاند اپنے جوبن پر آکر ماہِ کامل بن جاتا ہے۔ اس طرح گھٹنے بڑھنے کا شعوری دائرہ مکمل ہوتا ہے۔

شاگرد نے پوچھا، پردہ چاند پر سے ہٹتا ہے یا میری نظر سے؟

استاد نے فرمایا، یہاں تک لے کر آیا ہوں، اس سے آگے دیکھنا سمجھنا تمہارا کام ہے۔

•• ———— ••

سماوات وارض کے خالق اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

''ہم نے آسمان کو بروج سے زینت بخشی دیکھنے والوں کے لئے اور شیطان مردود سے اسے محفوظ کر دیا۔'' (الحجر:۱۶۔۱۷)

بروج سے مراد ہماری دنیا کی طرح رنگ و روشنی سے معمور دنیائیں ہیں جن میں مخلوقات آباد ہیں اور تقاضوں کی تسکین کے تمام وسائل ہیں۔ جو لوگ صاحبِ یقین اور صاحبِ مشاہدہ ہیں، ان کی نگاہ زمین کے شعور سے آزاد اور آسمانی شعور سے واقف ہے۔ وہ ان دنیاؤں کو دیکھتے ہیں اور مادی وسائل کے بغیر ان میں آتے جاتے ہیں۔

یاد رکھئے! ہر تخلیق جس ہیئت میں موجود ہے، اپنے شعور کی عکاسی کرتی ہے۔

آسمان کا شعور کیا ہے ــــ؟ نظر اٹھا کر دیکھئے۔ حدِ نگاہ تک پھیلی ہوئی چھت ہے جس میں محدودیت ہے نہ ڈائی مینشن نظر آتے ہیں۔ بتایا نہیں جاسکتا کہ آسمان کہاں سے شروع ہوتا ہے اور کہاں پر ختم ــــ ہر جانب نظر آتا ہے۔ یہ غیر جانب دار طرزِ فکر کی عکاسی ہے جس

میں ذہن شے کو ایک مقام پر محدود نہیں سمجھتا۔ چوں کہ آسمان تخلیق اور تخلیق ڈائی مینشن ہے ــــ لہٰذا آسمان میں سمتیں موجود لیکن مغلوب رہتی ہیں۔

سمتوں کے مغلوب ہونے کو الفاظ کے بجائے مفہوم کے آئینے میں سمجھئے۔

جب بندے کی توجہ خالقِ کائنات اللہ کی طرف مرکوز ہوتی ہے تو اپنے ہونے کا احساس ذہن سے محو ہو جاتا ہے۔ اللہ کی صفات لامحدود ہیں لہٰذا محدودیت سے ماورا صفات میں جذب ذہن کو عارضی اشیا کے کھونے کا غم ہوتا ہے نہ ملنے کی خوشی۔ وہ پانے اور کھونے کے احساس سے بے نیاز ہو کر دائمی خوشی حاصل کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لامحدود آسمان پر تفکر کرنے والوں کی طرز فکر غیر جانب دار ہو جاتی ہے۔

زمین کا شعور کیا ہے ــــ؟ زمین کے شعور میں سمتیں غالب ہیں۔ ہر شے گھٹتی، بڑھتی اور گھٹتی نظر آتی ہے۔ گھٹنے بڑھنے کے الوژن سے تاثر پیدا ہوتا ہے کہ تخلیق مراحل یا حصوں میں تقسیم ہے۔ اور جب تک یہ تاثر پیدا نہ ہو، آنکھ نہیں دیکھتی۔ تقسیم کی وجہ سے ہر شخص انفرادیت میں گم ہے اور اسی آئینے میں دیکھتا ہے۔ وہ نہیں سوچتا کہ میں کون ہوں اور مجھے کس نے بنایا ہے۔ خود سے لاعلم رہ کر وہ خالقِ کائنات، اپنی اور دیگر موجودات کی معرفت سے محروم رہتا ہے۔

(قانون) شعور جب تک محدودیت میں بند ہے، گمان کرتا ہے کہ دن روشنی اور رات اندھیرا ہے، ہر شے گھٹتی بڑھتی ہے، ستارے ایسے نظر آتے ہیں اور چاند گول ہے۔

•• ———— ••

تاج الاولیا ــــ بابا تاج الدین ناگپوریؒ کی تعلیمات متوجہ کرتی ہیں کہ الوژن ذہن سے دیکھنے والی ساری چیزیں اصل کے برعکس نظر آتی ہیں مگر حیرت ہے کہ آدمی قیاس کو علم گمان کر کے یقین سے کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں جب کہ اس کا علم مفروضات پر قائم ہے۔

آنکھ جن چیزوں کو گھٹتا بڑھتا دیکھتی ہے وہ ہمہ وقت مکمل حالت میں موجود ہیں۔ پہلے دن کا بچہ ایک سال کا ہوتا ہے تو اس ایک سال کے اندر پہلا دن موجود ہے۔ پہلا دن ہی بقیہ 364 دنوں کی بنیاد ہے۔ آدمی ظاہر کے گھٹنے بڑھنے کو دیکھ کر غیب کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ گھٹنا بڑھنا شعوری کیفیت ہے۔ لاعلمی کا یہ عالم ہے کہ آدمی اپنے شعور کے گھٹنے بڑھنے کو اشیا میں تغیر سے تعبیر کرتا ہے۔

شہنشاہ ہفت اقلیم بابا تاج الدین ناگپوریؒ کی تحریر دوبارہ پڑھیے۔

''میاں رگھوراؤ! ہم سب جب سے پیدا ہوئے ہیں ستاروں کی مجلس دیکھتے رہتے ہیں۔ شاید ہی کوئی رات ایسی ہو کہ ہماری نگاہیں آسمان کی طرف نہ اٹھتی ہوں۔ بڑے مزے کی بات ہے، کہنے میں یہی آتا ہے کہ ستارے ہمارے سامنے ہیں، ستاروں کو ہم دیکھ رہے ہیں، ہم آسمانی دنیا سے روشناس ہیں۔ لیکن ہم کیا دیکھ رہے ہیں اور ماہ وانجم کی کون سی دنیا سے روشناس ہیں، اس کی تشریح ہمارے بس کی بات نہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں، قیاس آرائی سے زیادہ نہیں ہوتا۔ پھر بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں۔ زیادہ حیرت ناک امر یہ ہے کہ جب ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ انسان کچھ نہ کچھ جانتا ہے تو قطعاً یہ نہیں سوچتے کہ اس دعوے کے اندر حقیقت ہے یا نہیں۔''

اللہ حافظ

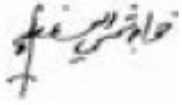

فقیر کی ڈاک

تفکر ـــ ذہن کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ غور وفکر سے خیال کی گہرائیاں روشن ہوتی ہیں۔ گہرائی میں تخلیقی رموز کے خزینے ہیں جن تک رسائی ـــ عرفان نفس اور معرفت الٰہی ہے۔ ''فقیر کی ڈاک'' اذہان کی آبیاری ہے جس میں مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب ذہن کی پرتوں کو کھول کر لاشعور کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

عالی قدر، محترم ومکرم عظیمی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

آپ کی کتب سے واضح ہوتا ہے کہ آپ بات طرز فکر سے شروع کرتے ہیں اور اس ضمن میں جسم اور روح میں فرق سمجھاتے ہیں۔ طرز فکر کیا ہے اور روحانی تعلیم کی ابتدا اس سے کیوں ہوتی ہے ـــ؟

(مرتضیٰ احمد۔ نیویارک)

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ،

ایک آدمی آنکھوں پر چشمہ نہیں پہنتا، وہ جو کچھ دیکھتا ہے، براہِ راست دیکھتا ہے۔

دوسرا آدمی چشمہ لگاتا ہے۔ وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے، دیکھنے میں شیشہ میڈیم بن جاتا ہے۔

زیادہ گہرائی میں بیان کریں تو کہا جائے گا کہ عینک میں سرخ رنگ کا شیشہ ہے تو ہر چیز سرخ نظر آتی ہے۔ شیشہ نیلا ہے تو ہر چیز نیلی نظر آتی ہے۔ جب ہم رنگین شیشے کو میڈیم بناتے ہیں تو نظر وہی دیکھتی ہے جو شیشہ ہمیں دکھاتا ہے۔ بات طرز فکر کی ہو رہی ہے۔ طرز فکر اور نظر کا قانون ایک بات ہے۔ طرز فکر براہِ راست اور بالواسطہ کام کرتی ہے۔ آدمی ایسے شخص کی طرز فکر کو اپنے لئے واسطہ بنائے جو براہِ راست کام کرتی ہے تو اس کے اندر وہی طرز فکر منتقل ہوتی ہے جس طرح رنگین شیشہ آنکھ پر لگانے سے ہر شے رنگین نظر آتی ہے۔

روحانی تعلیم دراصل طرز فکر کی صلاحیت کو اپنے اندر منتقل کرنے کا ایک عمل ہے۔

بچہ استاد کی شاگردی میں آتا ہے تو استاد کہتا ہے کہ پڑھو! الف، ب، ج۔

بچے کو علم نہیں ہوتا کہ الف، ب، ج کیا ہے۔ وہ لاعلمی کی بنا پر، استاد نے جو سکھایا، قبول کر لیتا ہے۔ یہی بچہ الف، ب، ج کو قبول نہ کرے تو علم نہیں سیکھ سکتا۔ مفہوم یہ ہے کہ بچے کی لاعلمی اس کا علم بن جاتی ہے۔ وہ بحیثیت شاگرد استاد کی راہ نمائی قبول کر لیتا ہے اور درجہ بدرجہ علم سیکھ لیتا ہے۔

ایک باشعور آدمی جو کسی نہ کسی درجے میں دوسرے علوم کا حامل بھی ہے، روحانیت سیکھنا چاہتا ہے۔ اس کی حالت بھی بچے کی ہے۔ روحانیت میں شاگرد کو مرید اور استاد کو مراد کہا جاتا ہے۔ مرید کے اندر بچے کی افتاد طبیعت نہیں تو وہ مراد کی بتائی ہوئی بات اس طرح قبول نہیں کرے گا جس طرح بچہ الف، ب، ج کو قبول کرتا ہے۔ چوں کہ روحانی علوم میں اس کی حیثیت بچے سے زیادہ نہیں، اس لئے اسے وہی طرز فکر اختیار کرنی پڑے گی جو بچے کو الف، ب، ج سکھاتی ہے۔

روحانی استاد، شاگرد سے کہتا ہے کہ آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاؤ۔ کیوں بیٹھ جاؤ؟ اس بارے میں کچھ نہیں بتاتا۔ جیسے استاد کہتا ہے کہ الف پڑھو اور نہیں بتاتا کہ الف کیا ہے اور کیوں ہے؟ پھر روحانی استاد کہتا ہے کہ شیخ کا تصور کرو۔ اگر شاگرد اپنے علم کے زعم میں سمجھنے کی کوشش کرے کہ آنکھیں کیوں بند کی جائیں، تصور شیخ سے کیا حاصل ہوگا تو یہ طرز فکر شاگردی کے منافی ہے۔ کسی بھی علم کو سیکھنے میں صرف اور صرف یہ طرز فکر کام کرتی ہے کہ استاد کے حکم کی تعمیل کی جائے اور استاد کی تعمیلِ حکم یہ ہے کہ لاعلمی شاگرد کا شعار بن جائے۔

امام غزالیؒ اپنے زمانے کے یکتائے روزگار تھے۔ جیّد علما ان کے علم سے استفادہ کرتے تھے۔ ان کو خیال آیا کہ خانقاہی نظام کو بھی دیکھنا چاہئے۔ اس سلسلے میں عرصہ دراز تک لوگوں سے ملے اور دور دراز کا سفر کیا۔ کسی نے پوچھا، حضرت ابوبکر شبلیؒ سے بھی ملے ہیں؟ امام غزالیؒ شان و شوکت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ مختلف تذکروں میں ہے کہ جس وقت سفر کو روانہ ہوئے تو لباس اور گھوڑے کے اوپر زین وغیرہ کی مالیت 20 ہزار اشرفیاں تھیں۔ حاضر ہوئے تو حضرت ابوبکر شبلیؒ مسجد میں تھے۔ مڑ کر دیکھے بغیر فرمایا:

''غزالی! آ گیا! تو نے بہت وقت ضائع کر دیا ہے۔ شریعت میں علم پہلے ہے عمل بعد میں اور طریقت میں عمل پہلے ہے، علم بعد میں۔ اگر تو اس بات پر قائم رہ سکتا ہے تو میرے پاس قیام کر ورنہ واپس چلا جا۔''

امام غزالیؒ نے کچھ توقف کے بعد عرض کیا، میں قیام کروں گا۔ فرمایا، کونے میں کھڑے ہو جاؤ۔

وہ مؤدب کھڑے ہو گئے۔ پھر حضرت شبلیؒ انہیں گھر لے گئے۔ خاطر مدارت کی۔ امام غزالیؒ بہت خوش ہوئے کہ مجھے اچھا روحانی استاد مل گیا ہے جس نے میرے اوپر آرام و آسائش کے در وا کر دیئے ہیں۔

چند روز بعد فرمایا، بھائی! اب کام شروع ہونا چاہئے اور کام کی ابتدا یہ ہے کہ ایک بوری کھجور لے کر بڑے بازار میں جاؤ اور اعلان کرو کہ جو آدمی میرے سر پر چپت لگائے گا، اسے کھجور ملے گی۔

امام غزالیؒ شام کو کھجوریں تقسیم کر کے واپس آئے تو پوچھا، حضرت! یہ کام کتنے عرصے تک کرنا پڑے گا؟

فرمایا، ایک سال۔ سال پورا ہوا تو امام غزالیؒ نے یاد دہانی کرائی۔ پیر و مرشد نے فرمایا، ایک سال اور۔

دو سال پورے ہونے کے بعد فرمایا، ایک سال اور۔

تین سال پورے ہو گئے اور مرید نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی تو پیر و مرشد نے پوچھا کہ کیا ابھی سال پورا نہیں ہوا—؟ عرض کیا کہ سال پورا ہوا ہے یا نہیں، کیا فرق پڑتا ہے۔ حضرت ابو بکر شبلیؒ نے فرمایا، کام پورا ہو گیا! اور وہ علم جس کی تلاش میں امام غزالیؒ سالہا سال سے سرگرداں تھے، مرشد نے منتقل کر دیا۔

امام غزالیؒ وطن واپس پہنچے تو معمولی کپڑے زیب تن تھے۔ ہاتھ میں ڈول تھا اور ڈول میں رسی بندھی ہوئی تھی۔ آمد کا علم ہوا تو استقبال کے لئے پورا شہر امڈ آیا۔ لوگ حیران و پریشان ہوئے اور کہا یہ آپ نے کیا صورت بنا رکھی ہے! امام غزالیؒ کے یہ الفاظ فکر طلب ہیں۔ اپنے زمانے کے عالم، فاضل، دانش ور نے فرمایا:

''اگر میرے اوپر یہ وقت نہ آتا تو میری ساری زندگی ضائع ہو جاتی۔''

تربیت کے دوران امام غزالیؒ سوال کر دیتے کہ حکم کی علمی توجیہ کیا ہے اور سر پر چپت کھانے سے روحانیت کیسے حاصل ہو سکتی ہے تو انہیں یہ علم حاصل نہ ہوتا۔ یہی صورت حال روحانی استاد اور شاگرد کی ہے۔ مرید کے اندر جب تک اپنی انا کا علم موجود ہے وہ مراد سے کچھ نہیں سیکھ سکتا۔ ہم جب کسی چیز کو اپناتے ہیں تو اس میں پہلے طرز فکر کا دخل ہوتا ہے۔ روحانیت کا اگر مجموعی طور پر مترادف لفظ ہو سکتا ہے تو وہ طرز فکر ہے۔ چوں کہ عام آدمی طرز فکر قائم کرنے کے اصول و قواعد سے واقف نہیں، اسے ایسے بندے کی تلاش ہوتی ہے جو طرز فکر قائم کرنے کے قانون سے واقفیت رکھتا ہو۔ ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ ایک بندے نے ایسا بندہ تلاش کیا جس کی طرز فکر سیدنا حضور پاکؐ سے وابستہ ہے۔ جب شاگرد کو رسول اللہؐ کا عرفان نصیب ہوتا ہے تو طرز فکر میں گہرائی پیدا ہوتی ہے اور وہ اس طرز فکر سے آشنا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل ہو جائے تو زندگی کام یاب ہے ورنہ پوری زندگی خسارہ اور نقصان ہے۔

دعا گو، عظیمی (18 فروری، 2019ء)

★ قارئین! بتایئے آپ کیا سمجھے—؟

نامے میرے نام

کرم فرما خواتین وحضرات نے ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو دل کی گہرائیوں سے نہ صرف پسند کیا ہے بلکہ قبول فرما کر روپ بہروپ کو دلہن کا روپ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قارئین کی خدمت کی توفیق دیں۔ رابطے کے قدیم وجدید وسائل کے ذریعے موصول ہونے والے خطوط میں سے منتخب خطوط شائع کئے جارہے ہیں۔

جولائی 2020ء کے ''آج کی بات'' پر موصول شدہ تفکر میں سے منتخب خطوط:

ایڈووکیٹ احمد بلال (کراچی): عظیمی صاحب! اسکول، کالج اور جامعات میں سکھاتے ہیں کہ باہر دیکھو۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ اندر دیکھو۔ روحانی اسکول قرآنی تعلیمات کی پیروی کرتے ہیں۔ زمین پر رائج دو متبادل نظاموں نے ذہن کو تقسیم کردیا ہے۔ باہر دیکھتے دیکھتے 16 سال گزر جاتے ہیں، تب بھی ہم اس قابل نہیں ہوتے کہ کوئی ایجاد کرسکیں یا ہوا کو ہی تسخیر کرلیں۔ جب کہ 16 سال اندر دیکھنے والوں کی دنیا بدل جاتی ہے اور ہر شے ان کے لئے مسخر ہوجاتی ہے۔ ایک نظام فریب پر قائم ہے اور دوسرا یقین پر۔ ہماری تو ساری زندگی فریب میں گزر گئی۔ میری تجویز ہے کہ آپ کوئی نصاب تشکیل دے کر 'آج کی بات' کو روحانی کلاس کا درجہ دے دیں۔ اس سے گھر بیٹھے بہت سے لوگوں کا فائدہ ہوگا۔

★ اگر خواتین وحضرات قارئین اس تجویز کی تائید کرتے ہیں اور درس وتدریس کے نظام کو روحانی علم کی حیثیت سے پڑھنا چاہتے ہیں تو تجاویز ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو بھیج دیں۔

صوفیہ (برطانیہ): 'آج کی بات' کی پہلی سطر پورے مضمون کا خلاصہ ہے۔ آپ نے فرمایا ہے، 'خیال اللہ تعالیٰ کا ایک پروگرام ہے جو پوری حیات پر محیط ہے'۔ چند دوستوں نے مل کر تفکر کیا۔ کائنات میں جتنی مخلوقات ہیں، سب میں زندگی ہے۔ کائنات بھی زندہ وجود ہے۔ مخلوقات اور کائنات کو عطا کی گئی صلاحیتیں سب خیال کے اندر ہیں کیوں کہ یہ خیال کے ذریعے ذہن میں نشر ہوتی ہیں۔ خیال بے شمار اشکال (صفات) میں ظاہر ہوتا ہے۔ سوال نے دستک دی کہ خیال کی اپنی صورت کیا ہے؟ جواب ذہن میں آیا کہ

خیال کی اصل صورت نور ہے۔

رانا وقاص (اسلام آباد): ذہن میں ہر لمحہ تحریکات ہوتی رہتی ہیں کیوں کہ ہماری زندگی خیال کے تابع ہے اور خیال غیب کا علم ہے۔ صرف خیال کو ہی غور و فکر کا مرکز بنالیں تو ذہن کی رفتار بڑھ جائے گی اور دور پرے کی اشیا قریب ہو جائیں گی۔ درخت لہروں کے ذریعے تبادلہ خیال کرتے ہیں، ہم بھی لہروں کی زبان کا استعمال سیکھ لیں گے۔

★ میرے عزیز بھائی! لہروں کی زبان سیکھنے کا کیا مطلب ہے؟ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہماری حیات و ممات سب لہروں کے نظام پر قائم ہے۔ آپ کو لندن سے کوئی صاحب ٹیلی فون کرتے ہیں، جو کچھ وہ بولنا چاہتے ہیں، لہروں کے دوش پر آپ تک پہنچتا ہے۔ کیا آواز میں وہ مفہوم نہیں ہوتا جو بات سے پورا ہو جاتا ہے؟

سمیرہ علی (ملتان): فاختہ والی مثال کے مطابق ہم خلا دیکھتے ہیں۔ میں نے کمرے میں موجود ساری چیزوں کو غور سے دیکھا۔ میرے کمرے میں پردہ، الماری، پلنگ، کھڑکی، چھوٹی میز، کتابیں، ایئر کنڈیشنر، بلب، پنکھا، دیواریں، چھت اور دروازہ ہے۔ پورا کمرا خالی ہے جس میں یہ سامان رکھا ہے۔ مجھے کمرے میں خالی پن نظر نہیں آرہا۔ سامان نظر آرہا ہے اور آپ کی تحریر کے مطابق وہ سارا سامان خلا ہے۔ کمرا بھی خلا ہے۔ خلا میں جو اسپیس ظاہری طور پر خالی نظر آرہی ہے وہ خالی نہیں ہے۔ وہاں پر کچھ ہے جس نے دیواروں اور چھت کو ایک دوسرے سے فاصلے پر رکھا ہے۔ اس پر تفکر کر کے میرا ذہن الجھ گیا ہے۔ خلا کو دیکھنے کا مطلب کیا ہے۔ مجھے خلا کے علاوہ اور چیزیں کیوں نظر نہیں آرہیں؟

بی بی مریم (کراچی): تحریر ہے کہ 'خیال جس جہاں سے آتا ہے، وہاں کی تصویریں ذہن میں آتی ہیں'۔ ہم بھی خیال کے ذریعے یہاں ظاہر ہو رہے ہیں۔ کیا ہم کسی اور دنیا کی مخلوق ہیں؟ پھر وہاں سے یہاں کیوں آرہے ہیں؟ وہاں بھی ہم ہیں اور یہاں بھی ہم ہیں؟ کیا ہمارے دو وجود ہیں؟ دو وجود نہیں ہیں تو پھر ان دونوں میں سے ہم کون ہیں؟ میرا سوال نیا نہیں ہے، مجھ سے پہلے بھی کئی لوگ آپ کے رسالے میں لکھ چکے ہیں۔ بہرحال مضمون نیا ہے اور مختلف بھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ پڑھنے کے تھوڑی دیر بعد ذہن سے نکل جاتا ہے۔ احاطہ نہیں ہو رہا۔ جب کہ میں آپ کی تحریروں سے نامانوس نہیں ہوں۔

محمد غوث (شہر کا نام نہیں لکھا): اداریے میں حوض سے متعلق خط کشیدہ جملے پر غور کیا۔ جب سے کائنات بنی ہے، اب تک پہلے خیال کا ہی مظاہرہ ہو رہا ہے۔ ایک خیال میں ساری کائنات چھپی ہوئی ہے۔

جولائی 2020ء کے مضامین پر قارئین کی آرا اور تبصرے:

زنیرہ راشد (لاہور): جولائی 2020ء کا سرورق جدت اور تنوع کے لحاظ سے بہترین ہے۔ خیال کو انوکھے انداز میں پیش کیا ہے۔ بچے کی نال اور درخت کی جڑ دونوں ایک طرح سے کام کرتی ہیں۔ درخت اور بچے کی پیدائش اور زندگی کے ادوار ایک ہیں۔ درخت کے ایک حصے میں رنگوں کی کثرت کے ذریعے الوژن اور دوسرے حصے میں حقیقی رخ دکھایا گیا ہے۔ پورے سرورق پر رنگوں کا انتخاب دیدہ زیب ہے۔ کہنا بے جا نہیں کہ سرورق پر تصویروں کے ذریعے روحانیت سکھائی جاتی ہے اور اندر الفاظ کو میڈیم بنا کر۔ یہ نوع انسانی کے لئے خدمت ہے، شکریہ۔

محمد ہارون (پشاور): مضامین کا معیار بڑھ گیا ہے۔ بعض مضامین فوٹو کاپی کروا کر تقسیم کرنے والے ہیں۔ پہلے مضمون 'خط — اللہ کے نام' کا جواب نہیں۔ کبھی سنا کرتے تھے اور کہانیوں میں پڑھتے تھے کہ بچے اللہ کو خط لکھتے ہیں۔ آج کے دور میں یہ باتیں نایاب ہوگئی ہیں یا لوگ پردے میں رہتے ہیں۔ 'غیبت کا فلسفہ' میں مقام اور حال کی سادہ وضاحت نے بہت سے معاملات میں مدد دی کہ میں چیزوں کو کس مقام سے کھڑا ہو کر دیکھ رہا ہوں۔ مجھے فرق سمجھ میں آنے لگا ہے۔

منیزہ صدیقی (کراچی): بی بی ایمن کی سنگ تراش والی کہانی میرے بچوں نے شوق سے پڑھی۔ میرا خیال ہے کہ بچوں کا علیحدہ رسالہ جاری کرنے پر غور کرنا چاہئے۔

مہوش اکرم (حیدرآباد): عبدالخالق صاحب نے سورہ فلق کی آسان پیرائے میں گہری تشریح کی۔ انہیں اس طرز کو جاری رکھ کر قرآن فہمی کے عنوان سے مضامین لکھنے چاہئیں۔ یہ ایک مستقل سلسلہ بن جائے گا۔ جڑواں بچوں پر مضمون بھی اچھا تھا۔ سب سے زیادہ 'خط — اللہ کے نام' پسند آیا۔

ڈاکٹر ندا بتول (لاہور): بازار میں بچوں کا ادب غیر معیاری ہے۔ آپ 'ماہنامہ قلندر شعور' میں شائع کی گئی بچوں کی کہانیوں کو کتاب یا پاکٹ سائز شکل میں شائع کریں تو بہت تیزی سے پھیلیں گی کیوں کہ یہ روایتی کہانیوں سے قطعی مختلف ہیں۔

تالیف: قرۃ العین واسطی

سائنسی نکات

اگر آدمی ذہن کی لیبارٹری میں خیال کے علم پر تجربات کرے، خیال میں موجود فریکوئنسی کا پتہ لگائے اور مختلف فریکوئنسیوں کے درمیان کیمیائی تعامل کرنا سیکھ لے تو تصرف کا علم حاصل کرسکتا ہے۔

شہنشاہ ہفت اقلیم، حاملِ علمِ لدنی، واقف اسرار کائنات ــــ بابا تاج الدین ناگپوریؒ فرماتے ہیں،

''بظاہر ایسا لگتا ہے کہ مظاہر بے حس و حرکت ہیں اور ان میں زندگی نہیں ہے لیکن درحقیقت ان میں زندگی کے تمام آثار موجود ہیں۔ شب بیداری کی وجہ سے موجودات کا باطنی رخ سامنے آجاتا ہے اور تاج الدین رات بھر غیبی مشاہدات میں مستغرق رہتے ہیں۔''

ان دنوں کا ذکر ہے جب بابا تاج الدینؒ فوج میں بھرتی ہونے کے بعد ساگر ڈپو میں تعینات کئے گئے۔ رات کو گنتی سے فارغ ہوکر بابا داؤد مکیؒ کے مزار پر تشریف لے جاتے، صبح تک مراقبہ میں مشغول رہتے اور پریڈ کے وقت ڈپو پہنچتے۔ یہ سلسلہ دو برس تک جاری رہا۔ چلہ کشی کے ابتدائی دور میں زواٹ نام کا کرنل ڈپو کا کمانڈر مقرر رہا۔ بابا صاحبؒ کا رات کے وقت مزار پر جانا اس کو بھی معلوم ہوگیا۔ چناں چہ یونٹ صوبے دار سے باز پرس کی۔ صوبے دار نے کمانڈر سے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ میں اپنے یونٹ کے ہر فرد کا خود ذمہ دار ہوں۔ جب تک سرکاری کاموں میں حرج واقع نہ ہو، کسی کے نجی معاملے میں دخل نہیں دے سکتا۔ رہا رات کے وقت ڈپو جانے کا مسئلہ تو اس کے لئے ان کو پاس ملا ہوا ہے۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں کہ مسلسل دو برس تک تمام رات جاگنا اور تمام دن کام کرنا بابا تاج الدینؒ کی کرامت ہے۔

بابا تاج الدینؒ کی مسلسل شب بیداری پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ غیبی مشاہدات ان کا معمول تھے۔ ایک دوہے میں اس کا ذکر ہے۔

سائے بن کی رات میں بن باسی بن جائیں
داس ملوکا ساتھ میں جاگیں اور لہرائیں

معنی: جنگل کی رات میں سائے آدمی بن جاتے ہیں۔ داس ملوکا یعنی بابا تاج الدینؒ ان کے ساتھ جاگتے ہیں اور خوش گپیاں کرتے ہیں۔

مظاہر حس وحرکت کا مجموعہ ہیں۔ بظاہر خاموش نظر آتے ہیں کہ نظر کو ان کے بے جان ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ اگر شب بیداری سے باطنی نگاہ غالب ہو جائے تو مظاہر کا باطنی رخ سامنے آجاتا ہے۔

ہر مظہر رنگ و روپ میں ظاہر ہونے سے پہلے گیسوں کا مرکب ہے۔ گیسوں میں تعامل سے رنگ ظاہر ہوتے ہیں اور مقداروں کے مطابق مختلف صورتیں اختیار کر لیتے ہیں۔ سائے بھی مخلوق ہیں اور ہر مخلوق کے ساتھ پرت کی شکل میں ہیں۔ جب بابا تاج الدینؒ سایوں کی طرف متوجہ ہوتے تو سائے ان کے ساتھ شب بیداری کرتے تھے۔

بابا تاج الدینؒ 27 جنوری 1861ء کو کامٹی، ناگپور میں پیدا ہوئے۔ پیدائش سے قبل والدہ نے خواب دیکھا کہ چاند آسمان پر پوری آب وتاب سے چمک رہا ہے اور ساری فضا چاندنی سے معمور ہے۔ یکا یک چاند آسمان سے گیند کی طرح لڑھک کر ان کی گود میں آگرا اور کائنات اس کی روشنی سے منور ہوگئی۔

بابا تاج الدینؒ ایک سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا۔ اس کے آٹھ سال بعد والدہ دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ نانی نے پرورش کی۔

بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے کئی ارشادات میں اویسیہ فیضان کی طرف اشارہ ہے۔ اپنی ولایت کے رنگ ونسبت کو اکثر یہ کہہ کر ظاہر کرتے تھے کہ ہمارا نام تاج محی الدین، تاج معین الدین ہے۔ کبھی یہ بھی فرماتے کہ ہمارا نام تاج الاولیا، تاج الملت والدّین، شہنشاہ ہفت اقلیم، سید محمد تاج الدین ہے۔

بابا تاج الدینؒ کے گوالے کا نام گلاب سنگھ تھا۔ وہ کئی برسوں سے یہ خدمت انجام دے رہا تھا۔ آپ کی چائے کے لئے ایک بھینس وقف کر رکھی تھی۔ برسات کی ایک صبح گلاب سنگھ نہیں آیا۔ بابا صاحبؒ نے دن چڑھنے تک انتظار کرنے کے بعد حیات خان سے فرمایا، کیا آج چائے نہیں ملے گی؟

عرض کیا، سویرے سے گلاب سنگھ کا انتظار کر رہا ہوں۔ حکم ہو تو بازار سے دودھ لے آؤں۔

فرمایا، پھر تو نے اس کی خبر کیوں نہیں لی؟ جا کے آ!

گاؤں میں داخل ہوتے ہی حیات خان کی نظر ارتھی پر پڑی۔ لوگ آخری رسومات کی تیاری کر رہے تھے۔ آواز سنی ــــ بابا صاحبؒ کا گوالا مر گیا۔

حیات خان پریشان الٹے پاؤں دوڑا اور گلوگیر آواز میں بتایا کہ گلاب سنگھ مر گیا۔ بابا صاحبؒ یہ سن کر گاؤں کی طرف چل پڑے۔ آنکھوں سے جلال برس رہا تھا۔ ارتھی کے قریب پہنچ کر پکارنا شروع کیا، گلاب سنگھ! گلاب سنگھ!

غصے میں فرمایا، اسے کھول دو، یہ زندہ ہے۔

ارتھی کی ڈوریاں کاٹی گئیں اور گلاب سنگھ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دوسرے دن حسب معمول دودھ لے کر آیا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ زمین و آسمان اور ان میں تخلیقات کی انفرادیت دخان کے سبب ہے۔

بابا تاج الدینؒ کائنات میں دخان کا کردار، اس کی تشریح اور اقسام بیان فرماتے ہیں:

''کائنات زمانی مکانی فاصلوں کا نام ہے۔ یہ فاصلے انا کی چھوٹی بڑی مخلوط لہروں سے بنتے ہیں۔ ان لہروں کا چھوٹا بڑا ہونا ہی تغیر کہلاتا ہے۔ دراصل زمان اور مکان دونوں اسی تغیر کی صورتیں ہیں۔ دخان جس کے بارے میں دنیا کم جانتی ہے، اس مخلوط کا نتیجہ اور مظاہر کی اصل ہے۔ دخان سے مراد دھواں نہیں ہے۔ دھواں نظر آتا ہے اور دخان ایسا دھواں ہے جو نظر نہیں آتا۔ انسان مثبت دخان کی اور جنات منفی دخان کی پیداوار ہے۔ رہا فرشتہ ان دونوں کے ملخص سے بنا ہے۔''

بابا تاج الدینؒ نے اپنی تعلیمات میں انسان، جنات اور فرشتوں کے تعلق پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے کہ ان تینوں کا ربط کائنات میں کتنا اہم ہے۔

قانون: ''عالمین کے یہ تین اجزائے ترکیبی غیب و شہود کے بانی ہیں۔ ان کے بغیر کائنات کے گوشے امکانی تموج سے خالی رہتے ہیں۔ نتیجے میں ہمارا شعور اور لاشعور حیات سے دور نابود میں گم ہو جاتا ہے۔ ان تینوں نوعوں کے درمیان عجیب و غریب کرشمہ برسرِ عمل ہے۔ مثبت دخان کی ایک کیفیت کا نام مٹھاس ہے۔ اس کیفیت کی کثیر مقدار انسانی خون میں گردش کرتی رہتی ہے۔ دخان کی منفی کیفیت نمکین ہے۔ اس کیفیت کی کثیر مقدار جنات میں پائی جاتی ہے۔ ان ہی دونوں کیفیتوں سے فرشتے بنے ہیں۔ اگر ایک انسان میں مثبت کیفیت کم ہو جائے اور منفی بڑھ جائے تو انسان میں جنات کی تمام صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔ اور وہ جنات کی طرح عمل کرنے لگتا ہے۔ اگر کسی جن میں مثبت کیفیت بڑھ جائے اور منفی کیفیت کم ہو جائے تو اس میں ثقلِ وزن پیدا ہو جاتا ہے۔ فرشتہ پر بھی یہی قانون نافذ ہے۔ اگر مثبت اور منفی کیفیات معین سطح سے اوپر آجائیں تو مثبت کے زور پر وہ انسانی صلاحیت پیدا کر سکتا ہے اور منفی کے زور پر جنات کی۔ بالکل اسی طرح اگر انسان میں مثبت اور منفی کیفیات معین سطح سے کم ہو جائیں تو اس سے فرشتہ کے اعمال صادر ہونے لگیں گے۔''

موجودہ سائنس دیگر سیاروں پر زندگی کی تلاش میں ہے اور مفروضے قائم کرتی رہتی ہے۔ مفروضوں کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے سیارے زمین سے نکل نہیں سکی نتیجے میں دوسرے سیاروں میں داخل نہیں ہوئی۔ بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کہکشانی نظاموں اور ہمارے درمیان

مستحکم رشتہ ہے۔ جو خیالات ذہن میں آتے ہیں وہ دوسرے نظاموں اور ان کی آبادیوں سے موصول ہوتے ہیں اور روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔

''انسان لاشمار سیاروں میں آباد ہیں اور ان کی قسمیں کتنی ہیں اس کا اندازہ قیاس سے باہر ہے۔ یہی بات فرشتوں اور جنات کے بارے میں کہہ سکتے ہیں۔''

نوعِ آدم جنت سے بے دخل ہوکر زمین پر آباد ہے۔ ماحول کے زیر اثر اس کا شعور، مٹی کے شعور کا پابند ہے۔ مٹی میں ثقل زیادہ ہے جس کی وجہ سے نوعِ آدم میں اکثریت کی پروازِ فکر بلند نہ ہوسکی۔ وہ فرماتے ہیں کہ انسان کا خفی (وہ صلاحیت جو ظاہر نہیں ہوتی) کائنات کے دور دراز گوشوں سے مسلسل ربط قائم نہیں رکھ سکا لہٰذا یہ خلا فرشتوں اور جنات سے پورا کیا گیا۔ اس کم زوری کی وجہ نوعِ انسانی کے خصائل ہیں۔

''کائنات میں جو تفکر کام کر رہا ہے اس کا تقاضا کوئی ایسی مخلوق پورا نہیں کرسکی جو زمانی و مکانی فاصلوں کی گرفت میں بے دست و پا ہو۔ اس شکل میں ایسی تخلیق کی ضرورت تھی جو اس کے خالی گوشوں کو مکمل کرنے کی طاقت رکھتی ہو۔ چناں چہ کائناتی تفکر سے جنات اور فرشتوں کی تخلیق عمل میں آئی تاکہ خلا پُر ہو جائے۔ فی الواقع انسانی تفکر سے وہ تمام مظاہر رونما نہیں ہوسکے جن سے کائنات کی تکمیل ہوجاتی۔''

شہنشاہ ہفت اقلیم کے ارشادات میں قانون قدرت کی گہرائی سے واقف ہونے کے رموز ہیں۔ فکر کے مدارج طے کرکے ہی ان قوانین کی آگہی ملتی ہے۔ فکر کا ایک نام خیال ہے۔ انسان خیال کے سوا کچھ نہیں۔ خیال ہی کے ذریعے سارے تجربات عمل میں آتے ہیں۔ اگر آدمی ذہن کی لیبارٹری میں خیال کے علم پر تجربات کرے، خیال میں موجود فریکوئنسی کا پتہ لگائے اور مختلف فریکوئنسیوں کے درمیان کیمیائی تعامل کرنا سیکھ لے تو تصرف کا علم حاصل کرکے ماورائی عالمین سے واقف ہوسکتا ہے۔

ساری کائنات خیال کا مظاہرہ ہے۔ خیال کی وجہ سے فرد زمین پر ظاہر ہے اور خیال کے تحت غیب میں چلا جاتا ہے۔ خیال کی سائنس کا کھوج لگا کر وہ اپنے اندر حرکت کے نظام کا ادراک حاصل کرسکتا ہے۔

صورت حال یہ ہے کہ وہ خود کو خیال کے مظاہرے کی شکل میں دیکھ رہا ہے، خیال کی شکل میں نہیں دیکھ رہا۔ مظاہرے اور خیال کی فریکوئنسی الگ الگ ہے۔ خیال لہریں اور مظاہرہ رنگ ہے۔ خیال کا علم حاصل کرکے فرد خود کو لہروں میں تبدیل کرسکتا ہے۔ پھر زمانی و مکانی فاصلے اس کے لئے صفر ہوجاتے ہیں۔

یہی بابا تاج الدینؒ کی تعلیمات کا مقصد ہے کہ فرد اپنے خفی رخ کو غالب کرکے مٹی کے شعور سے آزاد ہو اور نور کے شعور میں داخل ہوجائے۔

حامد ابراہیم

میرے کچھ شاگرد بتا رہے تھے کہ تم گزشتہ روز ریس کورس پارک میں لوگوں کے خاکے بنا رہے تھے۔
میرا خاکہ بھی بناؤ، پتہ چلے کہ تمہارے اندر کتنی صلاحیت ہے۔

بچے کو تصویریں بنانے کا شوق تھا۔ ماحول میں جو کچھ دیکھتا، کاغذ پر منتقل کرنے کی کوشش کرتا۔ خیالات اور کہانیوں کی تصویر کشی کے علاوہ ساتھی طلبا اور دوستوں کو سامنے بٹھا کر تصویریں بناتا تھا۔ مصوری کے قوانین کا پتہ نہیں تھا لہٰذا تصاویر میں فنی خامیاں موجود ہوتی تھیں۔ معلوم نہیں تھا کہ انہیں کیسے دور کرے۔ ماہر مصوروں کی تصاویر کا مطالعہ شروع کیا جس سے علم میں اضافہ ہوا۔ کالج کے بعد باقاعدہ مصوری کی تعلیم حاصل کی۔ اندرون اور بیرون ملک اساتذہ کے کام سے استفادہ کیا۔ پھر وہ دن آیا جب مصوری کو بطور پیشہ اختیار کیا۔ یوں کتابوں کے لئے تصاویر اور آرٹ گیلریوں کے لئے فن پارے بنانے کا سلسلہ شروع ہوا۔

کتب کی جلدیں اور آرٹ گیلریوں سے ملنے والا کام ضروریات پوری کرنے کے لئے ناکافی تھا۔ روزگار کے لئے بڑے شہر میں سکونت اختیار کی اور کام کو وسعت دینے کی حتی المقدور کوشش کی لیکن خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔

ایک دن ذہن میں جھماکا ہوا کہ کیوں نہ لوگوں کو سامنے بٹھا کر خاکے بنائے جائیں جس کی مناسب قیمت رکھی جا سکتی ہے۔ آرٹ گیلریوں میں اکثر یہ بات سننے کو ملتی ہے کہ فلاں مصور کے کیا کہنے کہ وہ سامنے بیٹھے لوگوں کا پانچ دس منٹ میں ایسا خاکہ بناتا ہے کہ ہر وقت لوگوں کی لائن لگی رہتی ہے۔

یورپ کے سفر کے دوران عوامی مقامات پر مصور خواتین و حضرات دیکھے تھے جو لوگوں کے خاکے بناتے تھے۔ ان کے پاس آنے والوں کا تانتا بندھ جاتا۔ اچھی آمدنی کے ساتھ داد و تحسین بھی ملتی۔

خیال پر عمل کے لئے خاکہ کشی کا آغاز دوست سے کیا لیکن دوست کو اپنا خاکہ پسند نہیں آیا اور تنقید کی کہ میری شکل خاکے سے پوری طرح نہیں مل رہی۔ دوبارہ سہ بارہ کوشش کے باوجود مشابہت نہ آسکی۔

کوشش جاری رکھی۔ محنت سے تصویریں بناتا مگر لوگ تصویر دیکھ کر پیسے دیئے بغیر اٹھ جاتے۔ بالآخر مایوس ہوکر تصویریں بنانا چھوڑ دیں۔

یہ اس شخص کا قصہ ہے جس نے مصور بننے کے لئے بچپن سے جدوجہد کی۔ مصوری کے اصول، جسم کی ہر ہڈی، جوڑ، پٹھے اور اوپر منڈھی جلد کی ساخت ازبر کرنے اور درس گاہوں کی خاک چھاننے کے باوجود معمّا حل نہ ہوا۔ بظاہر سامنے بٹھا کر تصویر بنانا آسان معلوم ہوتا ہے مگر یہ اتنا مشکل ہے کہ اکثر تجربہ کار مصور براہِ راست تصویر بنانے سے کتراتے ہیں۔

بادشاہ، امرا اور وزرا وغیرہ کیمروں کی ایجاد سے پہلے مصوروں سے تصویریں بنواتے تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ سامنے بٹھا کر براہِ راست تصویر بناتے ہوئے اکثر مشابہت قائم ہونے کے باوجود مصور کو ناخوش گوار صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا۔ وجہ یہ تھی کہ بادشاہ یا وزیر کو مشابہت کے باوجود تصویر اس لئے پسند نہیں آتی تھی کہ وہ اس میں اپنے تخیل کے مطابق وجیہ اور بارعب کیوں نہیں لگ رہا۔ حالاں کہ ان میں سے اکثر میں وہ خصوصیات موجود نہ ہوتیں جس کو دیکھنے کے وہ خواہش مند تھے۔ چناں چہ مصوری کے اساتذہ نے تصاویر میں غیر محسوس مبالغے اور تصنع سے کام لینا شروع کیا۔

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ ــــ محترم عظیمی صاحب نے روایتی طریقِ کار کے برعکس اس علم کی روحانی یا حضوری طرزوں میں تشریح کی ہے جو مصوری سیکھنے کے خواہش مند طالبات وطلبا کے علاوہ اساتذہ کے لئے بھی نایاب ہے۔

''علمِ حضوری اور علمِ حصولی میں فرق یہ ہے کہ جب کوئی استاد اپنے کسی شاگرد کو تصویر بنانا سکھاتا ہے تو گراف کے اوپر تصویر بنا دیتا ہے اور بتا دیتا ہے کہ اتنے خانوں کو اس طرح کاٹ دیا جائے تو آنکھ بن جاتی ہے اور اتنی تعداد میں خانوں کے اوپر پنسل پھیر دی جائے تو ناک بن جاتی ہے اور گراف کے اندر چھوٹے چھوٹے خانوں کو اس طرح ترتیب سے کاٹا جائے تو کان بن جاتا ہے۔ شاگرد جتنے ذوق و شوق سے استاد کی راہ نمائی میں ان خانوں کے اندر تصویر کشی کرتا ہے اسی مناسبت سے وہ فنکار بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس علمِ حضوری ہمیں بتاتا ہے کہ ہر انسان کے اندر تصویر بنانے کی صلاحیت موجود ہے۔ ہر انسان کے اندر کرسی بنانے کی صلاحیت موجود ہے۔ ہر انسان کے اندر کرتا قمیص سینے کی صلاحیت موجود ہے۔ استاد کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ شاگرد کے اندر موجود لوہار، درزی، بڑھئی، مصور بننے کی صلاحیت کو متحرک کر دیتا ہے اور جیسے جیسے شاگرد اس صلاحیت سے استفادہ کرتا ہے اپنے فن میں مہارت حاصل کر لیتا ہے۔'' (کتاب: شرح لوح وقلم)

اقتباس میں علمِ حضوری اور علمِ حصولی کے طریقِ تعلیم کی بہترین تشریح ہے۔ اس میں فنی علوم خصوصاً مصوری سیکھنے کے نادر جواہر ہیں۔

ایک روز مذکورہ مصور کو مرشد کریم کی خدمت میں حاضری کا موقع میسر آیا۔ انہوں نے فرمایا،

''بھئی مجھے میرے مرشد کریم نے مصوری کے حوالے سے جو سمجھایا ہے اس کے مطابق مصوری کے علم کی بنیاد دو چیزوں پر ہے — دائرہ اور مثلث۔''

انہوں نے انگشتِ شہادت سے تخت پر دائرہ اور مثلث کی کچھ شکلیں بنائیں۔ پھر تصویر بنا کر انسانی چہرے اور اس کے خدوخال کی وضاحت فرمائی۔

بات فوری طور پر کوتاہ عقل مصور کی سمجھ میں نہیں آئی۔ واپس آکر مسلسل سوچتا رہا۔ نماز عشاء کے بعد مراقبہ کیا اور دعا کی۔ رات گزری، طلوع آفتاب کے ساتھ اللہ کے کرم سے مصور کا ذہن کھلا اور مرشد کریم کا بتایا ہوا قانون سمجھ میں آ گیا۔

ڈرائنگ بورڈ اور ضروری سامان لے کر گھر کے نزدیک ہوٹل میں جا کر چائے پی اور بیرے سے کہا کہ بھئی میں مصوری کا طالب علم ہوں، سامنے بیٹھو، تمہاری تصویر بناتا ہوں۔ بیرا خوشی خوشی بیٹھ گیا۔ سات سے دس منٹ میں خاکہ تیار ہوا۔ بیرا خاکہ دیکھ کر خوش ہوا اور سیدھا منیجر کے پاس گیا۔ ہوٹل منیجر نے بھی تعریف کی۔ وہ مصور کے پاس آیا کہ ایک خاکہ میرا بھی بنا دو۔ اس طرح خوشی سے سرشار مصور نے اس روز ہوٹل میں پندرہ سے بیس لوگوں کے خاکے بنائے جو سب کو پسند آئے۔

دوسرے دن ریس کورس پارک میں میلا تھا۔ وہ دوست کے ہمراہ گیا اور خاکے بنائے۔ ہر خاکہ پہلے سے اچھا بنا۔ مرد، عورت، بوڑھے، بچے بالخصوص نوجوانوں کا ہجوم ہو گیا۔ جب تک ہاتھ شل نہیں ہوا، خاکے بنائے۔

اگلے دن ایک آرٹ گیلری میں جانا ہوا تو وہاں عمر رسیدہ معروف مصور بیٹھے تھے۔ دیکھتے ہی کہنے لگے، سنا ہے تم لائیو پورٹریٹس بنا لیتے ہو۔ میرے کچھ شاگرد بتا رہے تھے کہ تم گزشتہ روز ریس کورس پارک میں لوگوں کے خاکے بنا رہے تھے۔ میرا خاکہ بھی بناؤ، پتہ چلے کہ تمہارے اندر کتنی صلاحیت ہے۔ تجربہ کار استاد کی بات سن کر مصور کو اندازہ ہوا کہ غلطی کی گنجائش نہیں ورنہ بڑے میاں خوب عزت افزائی کریں گے۔

اللہ سے دعا کر کے خاکہ بنانا شروع کیا۔ جب بڑے میاں کو تھمایا تو گہری خاموش نظروں سے خاکہ دیکھتے رہے۔ پھر گویا ہوئے، یہ تم نے کہاں سے سیکھا؟ تمہارے استاد کون ہیں؟

مصور کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

اپنے مرشد کریم کے ارشادِ عالی مقام سے جو نکات اخذ کیے، قارئین کی نذر ہیں۔

۱۔ انسانی چہرہ دائرہ ہے۔ اس میں ناک عین مرکز میں ایسی مساوی الساقین مثلث (isosceles triangle) ہے جو چہرے کے تمام خدوخال کو اپنی اپنی جگہ بٹھانے کا تناسب قائم کرتی ہے اور ان کی صحیح پیائش متعین کرتی ہے۔

۲۔ آنکھیں، ناک، کان، ہونٹ سب میں ہیں لیکن ہر چہرہ مختلف ہے۔ ناک کی مثلث کے بغور معائنے اور مخصوص زاویوں سے باقی خدوخال کا تناسب بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

۳۔ آنکھوں کے عین درمیان نقطے سے ناک کا آغاز ہوتا ہے جسے bridge of nose کہتے ہیں۔ اس نقطے سے نتھنوں کی طرف جانے والی لکیریں مساوی ہوتی ہیں۔ ناک کے عین نیچے جہاں سے لکیریں قطع ہوتی ہیں وہ مثلث کی بنیاد ہے۔ یہیں سے ہونٹوں کی چوڑائی کا تعین ہوتا ہے۔

۴۔ Bridge of nose سے کانوں کی ساخت اور پیائش، بھنوؤں اور سر کے بالوں کی ابتدا یعنی hairline کا تناسب قائم کیا جاتا ہے۔ ناک کی مثلث سے چہرے کی چوڑائی اور ٹھوڑی تک لمبائی کی صحیح پیائش قائم ہوتی ہے۔

۵۔ کسی بھی شے (عمارتیں، حیوانات، نباتات، آدمی وغیرہ) کی شکل تحلیل کی جائے تو حاصل دائرہ اور مثلث ہے۔ دائرے اور مثلث کے فارمولے کے مطابق کوئی بھی مصور بہترین تصویر بنا سکتا ہے۔

۶۔ اس فارمولے کا اطلاق ہر قسم کے آرٹ ورک (تخیلاتی، تجریدی، نظریاتی، تعمیراتی، مشینی، خلائی، ماحولیاتی وغیرہ) میں کیا جاسکتا ہے جس سے روایتی طرز کی نسبت وسیع اور جامع نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

۷۔ بچوں کے نقوش میں دائرے کا عمل دخل مثلث کی نسبت زیادہ ہے۔ بڑی عمر کے لوگوں کی تصاویر بناتے وقت مصور پر منکشف ہوتا ہے کہ تصویر میں مثلث کا کردار دائرے کی نسبت بڑھ گیا ہے۔

۸۔ بیان کردہ دائرے اور مثلث کا قانون، علم مصوری میں رائج روایتی اصول وضوابط سے مختلف، منفرد اور کہیں زیادہ وسیع اور جامع ہے۔ اس کی روشنی میں مصوری کا نیا نصاب ترتیب دیا جاسکتا ہے۔

۹۔ دائرے اور مثلث کے قانون کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں سامنے موجود کسی بھی شے، منظر، جانور، آدمی، عمارت وغیرہ کی تصویر بناتے ہوئے روایتی پیائش کے طریقے کی ضرورت نہیں۔ جیسے ہاتھ بڑھا کر پنسل یا برش سے، ایک آنکھ بند کر کے یا کسی آلے کی مدد سے تناسب معلوم کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ مختلف ہے۔ صرف مشق کی ضرورت ہے۔ اس طرح مصوری میں یہ قانون انتہائی جدید، منفرد، سائنسی، اور افادیت میں حیرت انگیز ہے۔

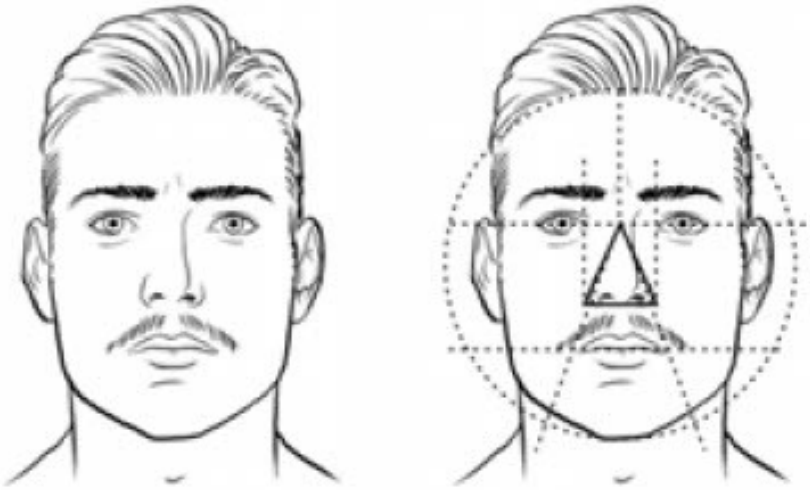

شکل نمبر۱

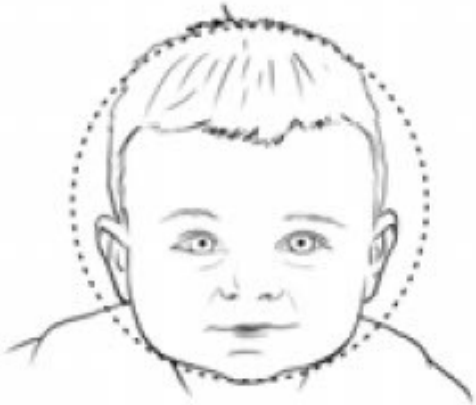

شکل نمبر۲

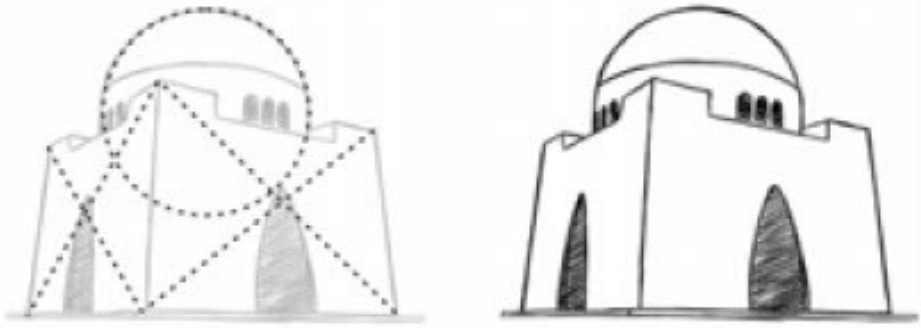

شکل نمبر۳

ایک ہزار تصویریں

ہم جب کائنات کی تخلیق کے بارے میں تفکر کرتے ہیں تو یہ جان لیتے ہیں کہ کائنات اللہ تعالیٰ کے اس ارادے کا مظہر ہے جو ''کُن'' کے بعد ظہور میں آیا ہے۔ یعنی کائنات موجود ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جب کائناتی پروگرام کو شکل وصورت میں دیکھنا چاہا تو حکم دیا ''ہوجا'' یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کے ذہن میں کائنات شکل وصورت کے ساتھ موجود تھی اس کا مظاہرہ ہوجائے۔ مفہوم یہ ہوا کہ کائنات اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود پروگرام کا عکس ہے۔

(مثال) ایک مصور تصویر بناتا ہے۔ ہم کاغذ پر مصور کے بنائے ہوئے خدوخال کو دیکھتے ہیں اور مصور اس تصویر میں جو رنگ بھرتا ہے وہ بھی ہمارے سامنے ہیں لیکن یہ بات اپنی جگہ اہم ہے کہ مصور تصویر کے وہی خدوخال بناتا ہے جو مصور کے ذہن میں ہوتے ہیں۔ تصویر مصور کے ذہن کا عکس ہوتی ہے۔ مصور اگر ایک ہزار تصویریں بناتا ہے تب بھی ہر تصویر کا تعلق مصور کے ذہن سے ہوگا۔ معلوم یہ ہوا کہ مصور جو تصویر بناتا ہے وہ کاغذ پر منتقل نہیں ہوتی بلکہ مصور کے ذہن کا عکس کاغذ پر تصویر بنتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتو مصور ایک سے زیادہ تصاویر نہیں بنا سکتا۔

(قانون): اصل اپنی جگہ محفوظ رہتی ہے اور تصویر کی شکل میں اصل کا عکس منتقل ہوتا رہتا ہے۔ چناں چہ تمام مخلوق ظہور میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ارادے میں جس طرح محفوظ تھی، اب بھی اسی طرح محفوظ ہے۔

کائنات میں جتنی بھی نوعیں ہیں ان سب کی اصل اللہ تعالیٰ کے ذہن میں محفوظ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اربوں کھربوں سال گزرنے کے بعد بھی کبوتر کبوتر ہے۔ فاختہ فاختہ ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ انقلاب زمانہ کے ساتھ اور حالات کی تبدیلی کی بنا پر کبوتر فاختہ بن جائے اور فاختہ کبوتر بن جائے۔

(کتاب: شرح لوح وقلم)

سیماب اکبرآبادی

تلاشِ یار

ایک سودس (110) سال پرانی تحریر پڑھیے۔ (ادارہ)

محفل ہستی میں کس سے یار کا پوچھوں پتہ
شمع بھی خاموش ہے پروانہ بھی خاموش ہے

کہتے ہیں کہ ایک دن وہم، عقل اور خیال تینوں ایک جگہ جمع تھے۔ آپس میں تجویز ہوئی کہ چلو اُس کا پتہ لگائیں جس کا پتہ آج تک کسی سے نہیں ملا۔

وہم بولا کہ سوچی تو دور کی ـــ مگر اس کی تلاش میں، میں پہلے بھی حیران ہو چکا ہوں جس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہ نکلا کہ بے شک وہ ہے مگر فہم سے بالا ہے۔ اسی تگ و دو میں ایک دفعہ بیمار ہو گیا اور ایسا بیمار ہوا کہ حکیم لقمان سے بھی میرا علاج نہ ہو سکا اس لئے یہ ارادہ کچھ اچھا نہیں۔

عقل بولی، بھائی وہم نے سچ کہا۔ میں بھی اس راہ میں مدتوں بھٹکی ہوں اور سوائے اس کے کچھ معلوم نہ کر سکی کہ زمین سورج کی کشش سے قائم ہے۔ آسمان حدِ نظر ہے۔ سورج زمین کے اور زمین سورج کے گرد 24 گھنٹے میں گھوم جاتی ہے۔ مہتاب آفتاب سے روشنی حاصل کرتا ہے اور اجرامِ فلکی ہماری دنیا کی طرح آباد ہیں وغیرہ۔ میں آسمان تک پہنچی مگر ایسی ٹکر لگی کہ ہوش پراگندہ ہو گئے اور آگے کا حال معلوم نہ ہو سکا۔ میں نے یہ بھی سنا تھا کہ اس کا مکان دل و دماغ میں ہے۔ یہ دونوں میرے موروثی گھر تھے۔ چپہ چپہ چھان مارا، کونا کونا دیکھ لیا مگر وہ نہیں ملا۔

خیال کو ان کی باتوں پر ہنسی آئی اور کہنے لگا کہ کوتاہ فکر دوستو! میرے لئے اس مسئلے میں بڑی گنجائش ہے۔ آج تک جو کام کسی سے نہ ہو سکا، میں نے کر لیا ہے۔ میری قوت کو یورپ اور ایشیا کے بڑے بڑے صناع اور موجد مانتے ہیں۔ اگر تم ساتھ دو تو ممکن ہے کہ میں اس کو تلاش کر لوں۔

وہم اور عقل پہلے راضی نہ ہوئے۔ پھر کچھ سوچ کر خیال کی ہمراہی کے لئے آمادہ ہو گئے۔

تینوں اس کی جستجو میں نکلے جس کا نام سب نے سنا ہے مگر چشم ظاہر سے آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔ بڑے بڑے سمندر اور ریتیلے میدان طے کرتے ہوئے

سب سے پہلے خانہ کعبہ پہنچے کہ یار کا پتہ اگر یار کے گھر سے مل جائے تو در در کون تلاش کرے۔

شیخِ حرم ملے۔ ان سے پوچھا کہ ہمیں کعبہ والے کی تلاش ہے، کہیں دیکھا ہے تو بتا دیں۔

انہوں نے جواب دیا کہ دیکھا تو نہیں مگر ہاں! سنا ضرور ہے کہ سنگِ اسود اس کے فراق میں جل جل کر سیاہ ہو گیا ہے۔ تم اس سے نورِ قلب حاصل کرتے ہو۔ وہ کچھ بتا دے تو تمہاری قسمت۔ یہاں بھی اس کے لاکھوں مشتاق ہیں۔

ہر نگاہ منتظر ہے اک درِ دا کی مثال
ہر دل پُرشوق اک پھیلا ہوا آغوش ہے

شیخِ حرم کی بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔

تینوں بت کدے پہنچے کہ شاید راز مل جائے۔ وہاں کے رکھوالے نے بتایا کہ میری ساری عمر اس امید پر گزر گئی کہ یہ (بت) کچھ بولیں اور اُس کا کوئی پتہ بتائیں مگر ابھی تک جواب نہیں ملا۔ پوچھ کر دیکھ لو اگر تمہیں بتا دیں۔ انہوں نے سوچا کہ پتھروں سے سر مار کر کیا کرنا۔

بت کدہ میں کچھ پتہ تیرا نہ کعبہ میں نشاں
اور ہی کوئی جگہ ہے تو جہاں روپوش ہے

امید بندھی رہی کہ یہاں نہ ملا تو کہیں اور ملے گا۔ سوچا کہ چلو کوہِ طور پر دیکھ آئیں۔ سنا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو وہاں نظر آ گیا تھا۔

دیوانگی بری چیز ہے۔ پہنچے، چڑھے، اترے، چوٹی پر دیکھا، دامن میں ڈھونڈا، ایمن کی وادیاں دیکھ لیں، پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں الٹ دیں، جنگل کی خاک چھان لی، کھڑے ہو کر دیکھا، بیٹھ کر دیکھا، جھک کر دیکھا، مڑ کر دیکھا مگر وہ کہاں!

اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ انہیں حضرت موسیٰؑ کی زیارت ہوئی۔ دوڑتے ہوئے قریب گئے اور بصد احترام عرض کیا، یا حضرت! جسے آپ نے دیکھا تھا، ہمیں بھی دکھا دیجئے۔

حضرت موسیٰؑ کو ابھی خمارِ دیرینہ کا نشہ تازہ تھا۔ کچھ ہوش آیا تو فرمایا، جو اسے خود نہ دیکھ سکتا ہو، وہ کسی اور کو کیا دکھائے گا۔

عرض کیا، مگر لوگ تو کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے اسے طور پر دیکھا ہے—؟

فرمایا، ہاں! سچ کہتے ہیں مگر،

حیرتِ جلوہ گری مہرِ لب خاموش ہے
کھو گئے خود بھی، ترے جلووں کا کس کو ہوش ہے

یہاں بھی کامیابی نہیں ہوئی۔

سوچا کہ شریعت اور طریقت دونوں بہنیں ہیں۔ سنا ہے وہ برسوں سے اس تلاش میں مصروف ہیں۔ چلو ان کے پاس چلیں، شاید کچھ پتہ چل جائے۔

طریقت کے پاس آئے اور مدعا ظاہر کیا۔
طریقت کے جواب نے وہم، خیال اور عقل کو سوچ میں گم کر دیا۔

نورِ باطن کی تجلی حرص دنیا میں کہاں
دامن طول امل اس راہ میں حق پوش ہے

شریعت گفتگو سن رہی تھی۔ کہنے لگی، یہاں آؤ۔ میرے پاس اس کا ایک فرمان آیا ہے جس میں اس نے اپنا پتہ خود بتا دیا ہے۔

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں! طریقت کو سلام کر کے شریعت کے پاس آ بیٹھے۔ شریعت نے انہیں ایک بسیط فرمان دکھایا جس میں بہت سے مقدس احکام کے علاوہ یہ بھی لکھا تھا کہ

''ہم تمہاری رگِ جان سے زیادہ تم سے قریب ہیں۔'' (قٓ: ۱۶)

سنتے ہی تینوں نے اپنے گلے ٹٹولے۔ رگوں کو دیکھا۔ باولے بن گئے مگر افسوس! جس کی تلاش تھی وہ نہیں ملا۔ وحشت سے فرصت ملی تو امید ناامیدی میں بدل گئی۔ ہمت نے للکارا کہ منزل مقصود قریب ہے اور پاؤں توڑ کر بیٹھے رہنا شیوۂ استقلال نہیں کہ وصالِ یار میں وہ لطف نہیں جو تلاشِ یار میں ہے۔

شکستہ پا امیدوں کا دم پھول چکا تھا مگر ہمت کی خوش آئند بات ان کی شکستہ دلی پر مومیائی* کا کام کر گئی اور ہم پھر چل پڑے۔

تھوڑی دور پہنچے تھے کہ سرسبز باغ نظر آیا جہاں صبر کے چند درخت کھڑے تھے اور ان کے پھل فضائے چمن میں جھوم رہے تھے۔ سینکڑوں یک رنگ پھولوں سے وحدت جلوہ ریز تھی اور قسم قسم کے خوش الحان طیور سے کثرت تماشا خیز۔

قمری ''حق سرہ'' کے نعرے لگا رہی تھی۔
عندلیب اس کے پُرشوق گیت گا رہی تھی۔

یہ سمجھے کہ اب یار کا پتہ مل جائے گا۔ ستاروں سے بھرا آسمان بتا رہا تھا کہ صبح ہونے کو ہے۔ یکا یک نگاہ شبنمی تختہ پر پڑی جس پر جلی حروف میں لکھا تھا کہ

یہ سرو و قمری و بلبل فریبِ گوش ہے
باطن ہنگامہ آباد چمن خاموش ہے

تختے کو اشارہ سمجھا اور مزید قیام کا ارادہ ترک کر کے طلسم کدے سے نکل گئے۔

چلتے چلتے لق و دق میدان میں پہنچے جہاں ایک طرف مصیبت کے پہاڑ کھڑے تھے اور دوسری طرف نالہ و زاری کے دریا بہہ رہے تھے۔ آگے کانٹوں سے جنگل اٹا پڑا تھا۔ سایہ کا کہیں نام نہ تھا۔

ایک سر بفلک ٹیلے پر ''عشق'' کچھ الاپ رہا تھا۔ عالمِ سراسیمگی و حیرانی کی یہ تینوں تصویریں باادب

---

* مومیائی (سیاہ رنگ کی موم کی شکل کی چکنی دوا جو زخم جراحت وضرب کے واسطے مفید ہے۔)

حاضر ہوئیں اور ادائے خاص سے جھک کر سلام کیا۔ عشق نے کہا، سلامتی کی خواہش ہے تو ادھر نہ آنا۔

دشوار گزار راستوں کی تکالیف اٹھا کر انہیں اب کسی تکلیف کی پروا نہیں تھی۔ جی کڑا کر کے بولے، ہمیں سلامتی سے غرض نہیں، یار سے مطلب ہے۔ ہم اس کی تلاش میں آئے ہیں جس کا پتہ آج تک کسی کو نہیں ملا۔ سینکڑوں سے پوچھا مگر،

منہ سے کچھ کہتا نہیں ہر مدعی خاموش ہے
تمہیں کچھ معلوم ہو تو بتا دو۔

حضرت عشق تو بڑے مرشد تھے۔ فرمایا، تم اس ناحق پر یشان ہو۔ وہ تمہاری فکر و تلاش سے بالا تر ہے تاہم میں تمہارے حال پر رحم کھا کر اس کا وہ پتہ بتا دیتا ہوں جس سے زیادہ دنیا میں کوئی نہیں بتا سکتا۔ وہ باہر اس لئے نہیں ملا کہ تم نے اسے اپنے اندر نہیں دیکھا۔ جس کی تمہیں تلاش ہے وہ کہتا ہے:

''اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور خود تمہارے اندر، تم دیکھتے کیوں نہیں؟''

(الذّٰریٰت: ۲۰۔۲۱)

حضرت عشق نے فرمایا، سن لو اور جہاں سے آئے ہو، وہیں چلے جاؤ۔

جلوۂ معشوق کو چشم بصیرت چاہئے
وہ ہمارے دل میں ہے اور آنکھ سے روپوش ہے

افسوس لوگوں نے دل کو ایک مضغۂ گوشت، مولد و ملجائے خون اور سبب حیات سمجھا ہے۔ یہ لوگوں کی سمجھ ہے ورنہ دل وہ کنز مخفی ہے جس میں عرفان کے سچے موتی ہیں۔ یہ وہ جام جہاں نما ہے جس میں یار، یار کی محبت، یار کا شوق، یار کی یاد، یار کا مکان، غرض یار ہی یار نظر آتا ہے۔ چشمِ بصیرت شرط ہے۔

آہ! دنیا دل سمجھتی ہے جسے، وہ دل نہیں
پہلوئے انساں میں اک ہنگامۂ خاموش ہے

ہر دم، دمِ عیسیٰؑ ہے تجھے پاس نہیں ہے

کوئی بھی دوا اپنے تئیں راس نہیں ہے — جز وصل سو ملنے کی ہمیں آس نہیں ہے
وہ اشک نکلتا ہے میری چشم سے جس کا — ہر قطرہ، کم از پارۂ الماس نہیں ہے
زنہار ادھر کھولیو مت چشم حقارت — یہ فقر کی دولت ہے کچھ افلاس نہیں ہے
گزرا ہے بتا کون صبا! آج ادھر سے — گلشن میں تیرے پھولوں کی بو باس نہیں ہے
بے فائدہ انفاس کو ضائع نہ کر اے دردؔ! — ہر دم، دمِ عیسیٰؑ ہے تجھے پاس نہیں ہے

(کلام: خواجہ میر دردؒ)

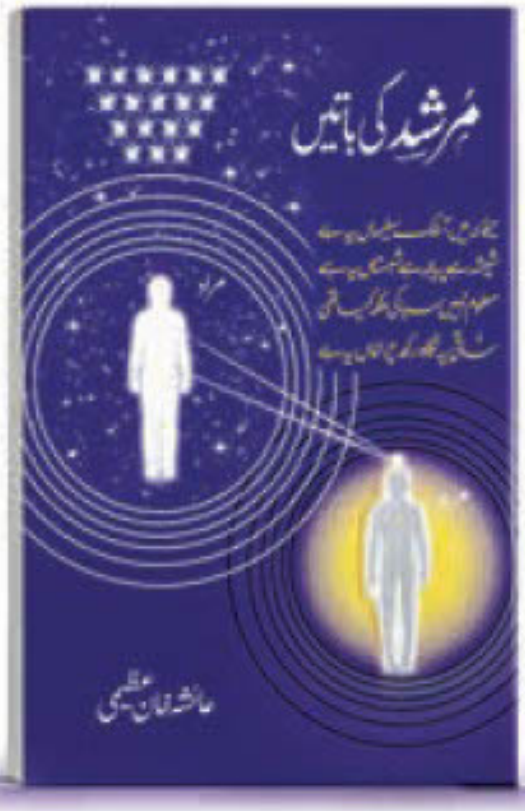

ترتیب وتدوین: عائشہ خان عظیمی

"ماہنامہ قلندر شعور" میں شائع ہونے والا مقبول ومعروف سلسلہ" مرشد کی باتیں " کتابی صورت میں شائع کیا جارہا ہے۔

ملنے کا پتہ :

عظیمی

عظیمی یونیورسٹی پریس

AZEEMI UNIVERSITY PRESS

B-123, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town, Karachi, Pakistan.
Tel: +92-21-36914040, Cell: +92-346-8553904

خواجہ شمس الدین عظیمی

مسائل کا حل

پیراسائیکالوجی کے تحت دیئے گئے علاج کے لئے اجازت ضروری ہے۔ کوئی صاحب یا صاحبہ اجازت کے بغیر علاج نہ کریں۔ (ادارہ)

نیلا فریم

غ۔ع (کراچی): بیٹا 13 سال کا ہے۔ پانچ سال کی عمر سے ہاتھ ہلانے کی عادت تھی۔ ہم سمجھتے تھے کہ چھوٹا ہے اس لئے ایسا کرتا ہے مگر عادت اب بھی قائم ہے۔ اچانک کھڑا ہوتا ہے، انگلیوں کو عجیب طریقے سے ہلاتا ہے، اچھلتا ہے اور منہ ٹیڑھا کر لیتا ہے۔ روکتے ہیں مگر اپنی مرضی سے نارمل ہوتا ہے۔ ساتویں جماعت میں پڑھتا ہے۔ ہم جماعت مذاق اڑاتے ہیں۔ ڈرتا بہت ہے۔ تتلی سے ڈر جاتا ہے۔ واش روم میں ایک گھنٹا بیٹھتا ہے۔ دو تین بالٹیاں پانی بہاتا ہے۔ جب تک پانی نہ آئے، حاجت روک لیتا ہے۔ مسوڑھے پھولے ہوئے ہیں اور خون آتا ہے۔ معالج کو دکھا چکے ہیں۔ بیٹے کے لئے بہت پریشان ہیں۔ لاک ڈاؤن کی وجہ سے اسکول بند ہیں۔ آسان عمل بتائیں۔

جواب: بیٹا جس وقت شکل بگاڑ کے بات کرے اس وقت فوٹو اتار لیں اور کیبنٹ سائز کی فوٹو بنا کر فریم کروالیں۔ فریم کی لکڑی نیلے رنگ کی ہونی چاہئے یا نیلا رنگ کروالیں۔ فوٹو ایسی جگہ لٹکائیں یا رکھیں جہاں آتے جاتے بچے کی نظر پڑتی رہے۔

نمک کم سے کم کریں۔ اچھا یہ ہے کہ تین ہفتے تک پھیکا کھانا کھلائیں۔ اس کے بعد بھی پرہیز کریں۔ سوتے وقت پیروں کی طرف سے چارپائی یا بستر کچھ اونچا کر لیں تاکہ سر کے مقابلے میں پیر اونچے رہیں۔ 40 روز کے بعد کیفیات سے مطلع کریں۔ نماز عشاء کے بعد آیۃ الکرسی پڑھ کر مریض پر دم کریں۔

ماہر dentist سے پائیریا کا علاج کروائیں۔ مسوڑھوں اور دانتوں کے درمیان پس جمع ہو جاتی ہے۔ پائیریا کے علاج سے انشاءاللہ دوسرے امراض میں بھی فائدہ ہوگا۔ اللہ کے حضور دعا ہے کہ بواسطہ سرور کائناتؐ بچے کو صحت عطا فرمائے، آمین۔

فضول خرچی

.....(کراچی): گھر کرائے کا ہے اور آمدنی قلیل ہے۔ جوان بیٹیاں ہیں، رشتے نہیں آتے۔ جو آنا چاہتے ہیں ان کے چائے پانی کے لئے کچھ نہیں ہوتا۔ بیٹیوں کے جہیز کا انتظام نہیں۔ شوہر سے کہتی ہوں کہ بچیوں کی شادی کے لئے کچھ جمع کریں۔ وہ کہتے ہیں کہ آمدنی اتنی نہیں، کہاں سے لاؤں۔ بچیاں گھر چلانے میں ہاتھ بٹاتی ہیں۔ میرے شوہر فضول خرچ ہیں۔ ادھار لینا اور دوسروں کی ضرورتیں پوری کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ نہایت چرب زبان ہیں۔ ہم جیسے تیسے کچھ جمع کریں تو لے لیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ملازمت پر جانے کے لئے گاڑی میں پٹرول نہیں، تمہارے پاس جو رقم ہے، وہ دے دو۔ بچیوں کے اچھے رشتے کے لئے اجتماعی دعا کروائیں اور ایسا عمل بتائیں کہ شوہر سنجیدگی سے بیٹیوں کی شادی کا سوچیں اور بیٹیاں اپنے گھر کی ہو جائیں۔

جواب: اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

''اور بے جا خرچ نہ کرو، بے شک اللہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (الانعام: ۱۴۱)

اندازہ ہے کہ صرف شوہر نہیں، گھر کے باقی لوگ بھی فضول خرچ ہیں۔ اس طرف بطور خاص توجہ دیں۔

دلہن کے روپ میں بیٹی کی کیبنٹ سائز تصویر بنوائیں۔ خوب صورت فریم میں یہ تصویر والد کے کمرے میں ایسی جگہ آویزاں کریں کہ اس پر اختیاری غیر اختیاری طور پر نظر پڑتی رہے۔ ساتھ ہی ماں باپ دونوں کی تصویریں اس پوز سے بنوائیں کہ شوہر کا چہرہ دیوار کی طرف ہو اور بیگم شوہر کی پشت کی جانب کھڑی ہوں اور پلک جھپکے بغیر نظر شوہر کی کمر پر مرکوز ہو۔ تصویر میں میاں بیوی کے درمیان فاصلہ ہونا چاہئے تاکہ دونوں نظر آئیں۔ یہ تصویر بیٹی کی تصویر کی مخالف سمت دیوار پر لٹکائیں۔ تین مہینے بعد نتائج سے مطلع کریں۔ انشاء اللہ غیبی مدد ہوگی۔ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے۔

آئینہ

نام شائع نہ کریں (کراچی): رشوت اور سفارش کے بغیر مشکل سے اپنی قابلیت پر نوکری ملتی ہے اور محنت سے کام کرنے کے باوجود ختم ہو جاتی ہے۔ کام کو سراہا جاتا ہے پھر بہانہ بنتا ہے یا میری طبیعت ناساز ہو جاتی ہے۔ ساری زندگی یہی پریشانی اٹھائی ہے۔ جہاں نوکری کروں، وہاں خواتین مجھے نیچا دکھانے کی کوشش کرتی ہیں۔

جواب: آدم زاد دہری شخصیت ہے۔ ایک رخ اپنے آپ کو صحیح سمجھ کر دوسروں کو اپنا برا چاہنے والا، پریشانی اور وسوسے پر مبنی ہے۔ زندگی کے دوسرے زاویے میں فریب نظر نہیں ہے۔

عام لوگ فریب نظر کو پسند کرتے ہیں اور حقیقی دنیا

کو بھولے ہوئے ہیں۔ حقیقی دنیا سے مراد جس میں شیطانی انسپائریشن نہ ہو یا کم سے کم ہو۔ آپ کا ذہن بتاتا ہے کہ آپ اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کو نظر انداز کرتی ہیں اور دوسروں کو کوتاہ نظر سمجھتی ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ ہر عورت اور مرد خود اپنا آئینہ ہے۔

آئینہ ایک تصویر کو دو دکھاتا ہے۔ ایک رخ وہ ہے جو الوژن کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور ایک رخ حقیقت ہے۔ الوژن کی تعریف یہ ہے کہ کسی چیز کو ثبات نہ ہو۔ یہ زندگی کی ایسی ہیلٹ ہے جس میں قدم قدم پر دھوکا، فریب، حق تلفی، دوسروں کے مقابلے میں خود کو صاحبِ خرد سمجھنا اور اپنے حقوق دوسروں پر قائم کرنا ہے۔ آدمی چاہتا ہے کہ میرے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور مجھے عزت و توقیر کی نظر سے دیکھا جائے۔ مگر وہ اپنا طرزِ عمل اور اپنے اوصاف نہیں دیکھتا۔ آپ کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود آپ کے اندر وہ تمام معاملات متحرک ہیں جو توقعات سے وابستہ ہیں۔

میری بہن! کوئی آپ کے خلاف نہیں، آپ خود اپنے خلاف ہیں۔ دوسروں کی فکر کرنے کے بجائے اپنا محاسبہ کریں۔ آپ کو لوگوں سے جو توقعات ہیں، روز سونے سے پہلے ان کی فہرست بنائیں۔ کیا یہی توقعات دوسروں کو آپ سے نہیں ہیں—؟

حل یہ ہے کہ دوسروں کی خدمت کو شعار بنالیں۔

چیونٹیاں آئیں گی

ج۔ع: کرائے کا گھر ہے۔ کرایہ بڑھتا رہتا ہے مگر آمدنی میں اضافہ نہیں ہوتا۔ گھر خریدنے کے

پیراسائیکالوجی
(Parapsychology)

اماں کا نام: ..... سائل کا نام: .....

تاریخ اور وقت پیدائش: ..... تعلیم: ..... ازدواجی حیثیت: .....

جاگنے کا دورانیہ: ..... سانس کا دورانیہ کتنے سیکنڈ ہے: .....

کھانا پیٹ بھر کے کھاتے ہیں یا بھوک رکھ کر: ..... نمک زیادہ پسند ہے یا مٹھاس: .....

خیالات میں حقیقت پسندی ہے یا الوژن: ..... دستخط: .....

خط و کتابت کا پتہ: .....

..... رابطہ نمبر: .....

وسائل نہیں ہیں۔ وظیفہ کیا مگر فائدہ نہیں ہوا۔ ایسا عمل بتادیں کہ ہم اچھا گھر خرید لیں۔

جواب: کڑھنے اور شکوے کرنے سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ روکھی سوکھی کھائیں، شکر ادا کریں۔ اللہ نعمت عطا کرے، اس پر بھی شکر کریں۔ اللہ کے عطا کردہ جو انعامات آپ کو حاصل ہیں ان کو ڈائری میں لکھیں اور ان انعامات کی فہرست بنائیں۔ سر، آنکھیں، منہ، ناک، ہاتھ، پیر، آپ کا پورا سراپا، بھوک رفع کرنے کے لئے کھانا، پیاس بجھانے کے لئے پانی، اولاد کی نعمت اور سب سے بڑا انعام سانس۔ اللہ کی عطا کردہ یہ سب نعمتیں آپ کے پاس ہیں اور روزانہ آپ کی خدمت میں مصروف رہتی ہیں۔ پہلے ان سب نعمتوں کا شکر ادا کریں۔ شکر ادا کرنے سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اے آل داؤدؑ! عمل کرو شکر کے طریقے پر۔ میرے بندوں میں شکرگزار کم ہیں۔'' (سبا:۱۳)

یاد رکھیں کہ یہ دنیا دھوپ سائے کی دنیا ہے۔

صبح سویرے گھر سے باہر دیوار کے ساتھ روزانہ چینی ڈالیں۔ چیونٹیاں آئیں گی اور چینی لے جائیں گی۔ گھر میں صفائی کا خیال رکھیں۔ برتن دھونے میں احتیاط ضروری ہے۔ برتن اچھی طرح صاف نہ ہوں تو ان میں بیکٹیریا پیدا ہوجاتے ہیں۔ ضروری ہے کہ برتن دھوکر دھوپ میں رکھیں۔

یَس مین (Yes Man)

صاحبِ یقین کا پُرسکون چہرہ دیکھ کر ان کی محفل میں پہلی بار شریک ہونے والے شخص نے پوچھا، آپ نے سکون کیسے حاصل کیا—؟ انہوں نے فرمایا، میں yes man ہوں۔ حالات و واقعات، مزاج کے مطابق ہوں یا برخلاف، انہیں قبول کرتا ہوں۔ وہ آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔ مزاحمت نہ کرنے سے اندر میں سکون قائم رہتا ہے۔ اس شخص نے صاحبِ یقین کی تقلید کی اور خوف و غم سے بے نیاز ہوگیا۔

جو ہونا ہے وہ ہوکر رہتا ہے۔ رد کرنے سے بے سکونی پیدا ہوتی ہے اور تکلیف کا دورانیہ بڑھ جاتا ہے۔ ایک طریقے سے ہم تکلیف کو گزرنے کا راستہ دینے کے بجائے مزاحمت کرکے روک لیتے ہیں۔ مزاج کے خلاف بات ہو تو دیوار مت بنیں— گزرنے دیں تاکہ ناگوار بات بے اثر ہوجائے۔ زندگی پانی کی مانند ہے اور پانی کی صفت بہنا ہے۔ پانی کی صفت اختیار کرکے yes man بن جائیں۔

عابد محمود

بھاگ جا کالی موت

بخار میں طاقت نہ ہو تو بخار ہاتھی کو نہیں گرا سکتا۔ جیسا کہ مشہور ہے ـــ بخار ہاتھی کو بھی گرا دیتا ہے۔ ہاتھی کے مقابلے میں بخار کی طاقت زیادہ ہے۔ بخار وجود ہے اور وجود مشکل ہوتا ہے۔

بھاگ جا ـــ کالی موت، یہاں سے بھاگ جا!

جھاڑو لگاتے ہوئے پلو سے ماتھے پر پسینہ صاف کیا اور ایک نظر دور تک پھیلی ہوئی سڑک کو دیکھا۔ گرمی کی حدت سے حلق خشک ہو گیا تھا۔ پانی کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا۔ ساری دکانیں بند تھیں۔ ہری چند دکان کھول رہا تھا۔ وہ سب سے پہلے آتا تھا۔ اس نے مٹکا اٹھا کر باہر رکھا۔ ساوتری مہترانی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ہری چند اسے پانی نہیں دے گا کیوں کہ اس کا تعلق جس طبقے سے تھا سماج اسے حقیر سمجھتا ہے۔ بے بسی سے ادھر ادھر دیکھ کر دوبارہ جھاڑو لگانے لگی۔ پیاس برداشت نہ ہوئی تو جھاڑو ایک طرف رکھ کر قدم دکان کی طرف بڑھا دیئے۔

ہری چند توہم پرست تھا۔ چاہتا تھا کہ دکان پر آنے والا پہلا شخص اچھے خاندان سے ہو تا کہ دن اچھا گزرے۔ ساوتری نے جھجکتے ہوئے پوچھا، ہری چند جی! پیاس لگی ہے، پانی ملے گا ـــ؟

ہری چند ڈبے سے سامان نکال رہا تھا۔ مڑ کر دیکھا، چہرے پر ناگواری چھا گئی۔ نفرت سے منہ پھیرتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے جانے کو کہا۔

ساوتری نے دوبارہ درخواست کی تو ہری چند ہتھے سے اکھڑ گیا اور بولا، بھاگ جا یہاں سے منحوس! صبح صبح کم بختی دیکھ لی۔ نہ جانے دن کیسا گزرے۔ چل بھاگ یہاں سے۔

ہری چند چارپائی پر لیٹا آسمان کی وسعتوں میں تارے دیکھ رہا تھا۔ تاریکی میں گھنٹی کی مدھم آواز سنی، گلی میں کوئی سوار داخل ہوا تھا اور اونچی آواز میں کچھ بول رہا تھا۔ آواز قریب ہوئی ـــ بھاگ جا کالی موت، یہاں سے بھاگ جا، یہ میرے تاج کا حکم ہے! قریب آ کر آواز پھر دور ہونے لگی۔

ہری چند دیوانے کی پکار سن کر مسکرایا اور کروٹ بدل کر تھوڑی دیر میں اونگھنے لگا۔ رات کے کسی پہر

پسو کے کاٹنے سے آنکھ کھلی۔ کسمسا کر خارش کی اور دوبارہ نیند کی وادی میں گم ہوگیا۔ پسوؤں نے بار بار کاٹنا شروع کیا تو ہری چند نے اٹھ کر چارپائی جھاڑی اور اس پر چادر بچھا کر دوبارہ لیٹ گیا۔

پچھلے کچھ دنوں سے پسو کاٹ رہے تھے۔

سوچا کہ صبح چارپائی کو اچھی طرح سے دھو کر دھوپ میں سکھاؤں گا تاکہ کیڑے نکل جائیں۔

صبح آنکھ کھلی تو جسم تیز بخار میں تپ رہا تھا اور گرمی میں سردی محسوس ہونے سے کپکپی طاری تھی۔ شدید نقاہت نے آلیا۔ بمشکل اٹھا اور فارغ ہوکر دوبارہ بستر پر ڈھے گیا۔ ناشتے میں ایک نوالہ حلق سے نہیں اترا، متلی ہونے لگی۔ حکیم صاحب کے پاس جانے کی ہمت نہیں تھی اس لئے بغیر دوا کے دوپہر تک چارپائی پر پڑا رہا۔

شام کو بمشکل ہمت مجتمع کر کے مطب گیا تو مرض کی علامت دیکھ کر حکیم صاحب متفکر لہجے میں بولے، بھائی ہری چند! علامت بتا رہی ہے کہ تم طاعون میں مبتلا ہوگئے ہو۔ لوگوں سے ملنا چھوڑ دو اور کمرے تک محدود ہو جاؤ۔ یہ وبائی مرض ہے جو تیزی سے پھیلتا ہے۔ بدقسمتی سے ناگپور میں ڈیرا ڈال چکا ہے۔ مریضوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ میں خود پوری احتیاط کر رہا ہوں۔

ہری چند کی پیشانی پر لکیریں گہری ہوگئیں۔

حکیم صاحب نے ادویات اور ضروری ہدایات دے کر مطب سے رخصت کیا۔

ساوتری بہت خوش تھی۔ کھانا پکاتے ہوئے محبت سے ہنڈیا میں ڈوئی پھیری۔ نمک چکھا اور مطمئن انداز میں سر ہلایا۔ دوسرے چولہے کی آنچ ہلکی کر کے چاول دم پر رکھے۔ نہا کر کپڑے تبدیل کئے۔ اس دوران کھانا پک چکا تھا۔ کھانا لے کر خوشی خوشی شکر درہ کی طرف چل دی۔

دربارِ تاج الاولیا میں حسب معمول عقیدت مندوں کا ہجوم تھا۔ عام افراد کے علاوہ رئیس، وزیر اور صاحب حیثیت لوگ بابا تاج الدینؒ کی خدمت میں حاضری پر فخر محسوس کرتے تھے۔

بابا صاحبؒ شان و شوکت سے بے نیاز تھے۔ دربار میں محمود و ایاز کی تفریق نہیں تھی۔

عقیدت مندوں کا معمول تھا کہ وہ قسم قسم کے کھانے پکا کر خدمت میں پیش کرتے۔ بابا صاحبؒ کسی میں سے کچھ کھا لیتے، باقی کھانا وہاں موجود لوگ کھاتے تھے۔ ایسا بھی ہوتا کہ کئی دن گزر جاتے اور وہ ایک لقمہ نہ لیتے۔ کھانا پیش کرنے والوں میں امرا، رؤسا، علما اور نواب بھی شامل تھے۔ ساوتری متمول افراد کو دیکھ کر پریشان ہوگئی۔ وہ جانتی تھی کہ انہیں دال چاول پسند ہے۔ فرماتے تھے،

دال چاول پیڑ کا پھول
یہ نہ کھایا تو مٹی دھول

دلی تمنا تھی کہ کچھ پکا کر خدمت میں پیش کرے۔ بساط کے مطابق کھانا شکر درہ لائی مگر یہاں پہنچ کر کم مائیگی کے احساس سے قدم رک گئے۔

اس نے سوچا کہ قسم قسم کے پکوان میں میرے لائے ہوئے کھانے کی کیا حیثیت؟ توشہ دان امرود کے درخت سے باندھ دیا۔

ندیم نے فکر مند ہو کر محمد حسین سے کہا، ناگپور میں طاعون کی وبا پھیل رہی ہے۔ اللہ اس موذی مرض سے سب کی حفاظت فرمائے۔ آسمان کی لامتناہیت میں گم محمد حسین نے کہا، بابا صاحبؒ فرماتے ہیں،

''کائنات میں ہر شے کی شکل وصورت ہے۔''

محمد حسین نے وضاحت کی کہ بخار کی بھی شکل ہے۔ ٹائیفائیڈ کی شکل الگ ہے اور گردن توڑ بخار کی الگ۔ سب کے اوصاف اور طاقت کی مقداریں دوسرے سے مختلف ہیں۔ بخار میں طاقت نہ ہو تو بخار ہاتھی کو نہیں گرا سکتا۔ جیسا کہ مشہور ہے — بخار ہاتھی کو بھی گرا دیتا ہے۔ ہاتھی کے مقابلے میں بخار کی طاقت زیادہ ہے۔ بخار وجود ہے اور وجود مشکّل ہوتا ہے۔ اس طرح طاعون کی بھی شکل وصورت ہے۔

(کہا جاتا ہے کہ طاعون کی وبا چوہوں سے لگتی ہے اور پسوؤں کے ذریعے پھیلتی ہے۔ پسو خون چوسنے والے کیڑے ہیں۔ چوہے بیمار ہوں تو پسو ان پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ پھر جس شے یا فرد پر بیٹھتے ہیں، بیماری منتقل ہو جاتی ہے جس کو طاعون کہتے ہیں۔)

بات ختم کر کے محمد حسین کو کچھ یاد آیا۔ فوراً اٹھے، اونٹ کی رسی کھولی اور سوار ہو کر گلی گلی گھومتے ہوئے صدا دینے لگے — بھاگ جا کالی موت، یہاں سے بھاگ جا، یہ میرے تاج کا حکم ہے!

کھانے کا وقت گزر رہا تھا لیکن بابا تاج الدینؒ نے امیروں اور رئیسوں کے کھانے کو ایک نظر نہیں دیکھا۔ وہ راجا رگھوراؤ کے محل میں تھے۔ سب نے اپنے توشے دان کھول کر پیش کیے۔ طرح طرح کے کھانوں کی خوش بو چاروں طرف پھیل گئی۔

بابا صاحبؒ نے فرمایا — یہ نہیں کھاتے، وہ کھانا لاؤ جو درخت سے بندھا ہے۔ کسی کی سمجھ میں بات نہیں آئی کہ کون سا کھانا، اور کس درخت سے بندھا ہے؟ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

ساوتری دور سے سارا منظر دیکھ رہی تھی۔

لوگوں کے اصرار کے باوجود بابا تاج الدینؒ نے کھانا نہیں کھایا اور یہی فرماتے رہے کہ وہ کھانا لاؤ جو درخت سے بندھا ہے۔

عقیدت مند بات سمجھ نہ سکے تو بابا صاحبؒ اٹھے،

محل سے باہر تشریف لائے اور سیدھے امرود کے درخت کے پاس پہنچے، توشہ دان اتارا اور وہیں بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔

لوگوں نے جاننا چاہا کہ توشہ دان کس کا ہے۔

آخر ساوتری نے قصہ سنایا۔ دلی مراد پوری ہونے پر وہ خوشی سے جھوم رہی تھی۔ یقین ہوگیا کہ اللہ کے دوستوں کے نزدیک ذات پات کی اہمیت نہیں — وہ اہم ہے جس کا دل پاک ہے۔

ہری چند کے جسم پر گلٹی نکل آئی تھی۔ وہ درد سے کراہ رہا تھا۔ دور کہیں اونٹ کے گلے میں بندھی گھنٹی اور دیوانے کی صدا سنائی دی۔ بھاگ جا کالی موت، یہاں سے بھاگ جا — یہ میرے تاج کا حکم ہے!

ہری چند خود کو گھسیٹتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا، پٹ کھولا اور شتر سوار کا انتظار کرنے لگا۔ کسی کو اونٹ پر گزرتے دیکھ کر پکارا، اللہ کے واسطے! میری تکلیف کا بھی علاج کیجئے۔

آواز سن کر محمد حسین اونٹ سے اتر کر ہری چند کے پاس پہنچے اور سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے گلٹی پر اپنا لعاب لگایا۔ ہری چند کو ایسا لگا جیسے مسیحا نے زخموں پر مرہم رکھ دیا ہے۔

بابا محمد حسین کا اصل نام عبدالکریم تھا۔ ہفت اقلیم

> اجگر کریں نہ چاکری پنچھی کریں نہ کام
> داس ملوکا کہہ گئے سب کے داتا رام
>
> ترجمہ: چوپائے ملازمت نہیں کرتے اور پرندے کاروبار نہیں کرتے۔ پھر بھی رزق ان کو ملتا رہتا ہے۔ داس ملوکا (بابا تاج الدینؒ) کا کہنا ہے کہ دوستو! سب کی پرورش کرنے والا اللہ ہے۔

کے شہنشاہ بابا تاج الدینؒ نے محمد حسین نام رکھا۔

جب ناگپور میں طاعون کی وبا شدت سے پھیلی اور ہزاروں افراد موت کا لقمہ بنے تو بابا تاج الدینؒ نے محمد حسین بابا سے فرمایا — اونٹ پر بیٹھ کر ناگپور کی گلی گلی گھوموا ور بلا کو بھگاؤ۔

محمد حسین بابا اونٹ پر بیٹھ کر گلی گلی گھومتے اور صدا لگاتے، بھاگ جا کالی موت، یہاں سے بھاگ جا — یہ میرے تاج کا حکم ہے!

لوگ مریض لاتے تو آپ اللہ کا نام لے کر لعابِ دہن گلٹی پر لگا دیتے اور اللہ کے حکم سے مریض موت کے منہ سے نکل آتا۔ کچھ دنوں میں ناگپور سے طاعون کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کے بعد طاعون نے کبھی اس شہر کا رخ نہیں کیا۔

نوٹ: تحریر بابا تاج الدین ناگپوریؒ کی دو کرامات سے ماخوذ ہے۔ (ادارہ)

عرفانہ شہزاد

کِس نے کہا اور کِس نے سنا

مانگنے والا جب دل سے پکارتا ہے تو دینے والا وسیلہ بنا دیتا ہے۔

روحانیت شہرِ عشق ہے جس کے ہر ذرۂ ریگ، کوچہ و بازار، بام و در، موسم و ماحول اور برگ و گل پہ ایک ہی نام کندہ ہے۔

اللہ سے محبت کرنے والا صراط مستقیم پر گامزن ہو جاتا ہے۔ مجھے اللہ سے محبت ہے البتہ وہم و گمان میں نہیں تھا کہ راہِ حق کے آداب سیکھنے کے لئے راہ نما کی ضرورت ہوتی ہے۔

دل ایسا معمّا ہے جو حل نہ ہو سکا۔ جب سے دل نے اپنی طرف متوجہ کیا، اس کی حفاظت مشکل ہو گئی۔ دل اور دماغ میں عجیب کھیل شروع ہو گیا کہ کوئی شے اچھی لگتی، ساتھ ہی اندر میں ناپ تول شروع ہو جاتا کہ پسندیدگی کس حد تک ہے۔

طبیعت کو گوارا نہیں تھا کہ الوژن خیال تکرار کر کے پختہ ہو جائے۔ میں نے رشتے ناتے اور خاندانی باتوں میں غیر ضروری دلچسپی نہیں لی۔ اللہ کی محبت میں بہت احتیاط سے کام لیتی تھی۔ جس شے میں دلچسپی بڑھتی، خوف زدہ ہو کر الگ ہو جاتی۔ توازن قائم رکھنے کا فن نہیں آتا تھا۔ اس عادت سے اکثر شعور کو تکلیف پہنچتی مگر دوسری طرف 'محبت' کی مسکراہٹ بڑھ جاتی۔ سہیلیوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ سے کوئی امید نہ رکھیں، میں بے وفا ہوں۔ دراصل میں دل کی گہرائی سے کسی کو چاہ نہیں سکتی تھی۔ جب احساس ہوا کہ سلیٹی رنگ کا گول شیشہ جس میں چہرہ دیکھتی ہوں اور سنبھال سنبھال کر رکھتی ہوں، کچھ زیادہ عزیز ہو گیا ہے تو شیشہ فرش پر دے مارا— ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو گیا۔ کرچیاں کوڑے دان میں ڈال دیں۔ یہ رکاوٹ بھی دور ہوئی۔

رہن سہن سخت تھا۔ 168 گھنٹوں میں صرف ایک گھنٹا ٹی وی دیکھنے کی اجازت تھی۔ اکیلے آنے جانے پر پابندی تھی۔ امی کو کسی پر اعتبار نہیں تھا اس لئے ہر سہیلی میری اور امی کی مشترکہ سہیلی تھی۔ بلکہ مجھ سے زیادہ وہ امی کی سہیلی ہوتی کیوں کہ میں جلد اکتا جاتی تھی، امی نہیں اکتاتی تھیں۔

مولوی صاحب آتے تھے جو صرف عربی پڑھاتے تھے — میں ترجمے کے ساتھ پڑھنا چاہتی تھی۔ گو سوال کرنا منع تھا مگر طبیعت میرے ہاتھوں مجبور تھی۔ کچھ سوالات پوچھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ کے راز ہیں اور اللہ اپنے رموز میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ میں نے پوچھا، وہ کون سا علم ہے جس کی بنا پر فرشتوں نے آدمؑ کو سجدہ کیا؟ جواب سے تسلی نہیں ہوئی اور جستجو بڑھ گئی۔ سوالات اہمیت اختیار کر گئے۔

میں گیارہویں جماعت میں تھی۔ جواب کی تلاش میں کئی کتابیں پڑھیں، سب کی تفہیم مختلف تھی۔ پریشان ہو جاتی کہ علم ایک ہے پھر سمجھنے والوں کی سوچ میں اختلاف کیوں ہے؟ دل پر بوجھ آ گیا۔

رویے عکاسی کرتے ہیں کہ ہم نے عبادات اور معاملات کو ایک دوسرے سے الگ سمجھ لیا ہے۔ عبادت کسی اور کی ہوتی ہے اور معاملات اپنی مرضی سے طے کئے جاتے ہیں۔ عبادت کی روح کو سمجھا جائے تو معاملات آسان ہو جاتے ہیں کیوں کہ عبادت میں اجتماعیت کی تربیت ہے۔ اسلامیات کے پیریڈ میں مس نے آیت پڑھائی،

''اور جو کوئی مومن کو قتل کرے، اس کا بدلہ جہنم ہے کہ ہمیشہ اس میں رہے اور اس پر اللہ کا غضب ہوا اور اس پر لعنت ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (النسآء:۹۳)

میں سوچتی ہوں کہ ہم جان کی قدر نہیں کرتے مگر وہ ایک جان اللہ کے ہاں کتنی مقدم ہے۔ بعض اوقات کسی کی زبان کا نشتر مار ڈالتا ہے لیکن خون رستا ہے نہ چوٹ نظر آتی ہے۔ یہ ناپسندیدہ عمل ہے۔

ہم اللہ کے احکامات میں سے اپنے مفاد کی بات پر عمل کرتے ہیں اور باقی چھوڑ دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ دین میں پورے داخل ہو جاؤ۔

عبادت (بندگی) صرف اعضا کی حرکت نہیں۔ یہ بھی عبادت نہیں کہ پیشانی زمین پر اور دل میں کوئی اور چھپا ہوا ہو۔ دل اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے تو پیشانی از خود جھک جاتی ہے۔ سڑک پر چلتے ہوئے اللہ کا تصور بے قرار کر دے اور آنسو دریا بن جائیں تو کیا یہ عبادت نہیں؟

میں خود سے سوال کرتی ہوں کہ جب تک فکری، ذہنی اور جسمانی توانائی کے ساتھ سیدھا راستہ اختیار نہ کیا جائے تو کیا منزل پر پہنچا جا سکتا ہے؟

لاعلمی قانون توڑنے کا جواز نہیں اور عشق قانون سیکھنے کا محتاج نہیں — عشق چنگاری ہے جو سرکش رویوں اور انا سے بھرپور وجود کو جلا دیتی ہے۔ یہ ارتقائے حیات کا پہلا زینہ ہے جس پر چل کر بندہ بندگی کے رشتے میں بندھ جاتا ہے۔

خواب میں دیکھا۔۔۔ بادل چھٹتے ہی سنگ مرمر کا سفید فرش دکھائی دیا جس پر حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ کھڑے ہیں۔ انہوں نے کتاب دی جس کے سرورق پر موٹے حروف میں 'کشف المحجوب' لکھا تھا۔ آنکھ کھلنے پر نام لکھ لیا مگر ذہن کتاب تلاش کرنے کی طرف نہیں گیا۔

خواب کے تقریباً سال بعد لاہور ائیر پورٹ پر بک اسٹور میں 'کشف المحجوب' دیکھ کر اچھل پڑی۔ خواب والی کتاب! یہ فارسی زبان میں تھی۔ تلاش کرنے سے اردو ترجمہ مل گیا۔ دیباچے میں حضرت نظام الدین اولیاؒ کا ارشاد گرامی ہے:

''اگر کسی کا پیر نہ ہو تو ایسا شخص جب اس کتاب کا مطالعہ کرے گا تو اس کو پیرِ کامل مل جائے گا۔''

جب بھی کتاب کھولتی، مسحور کن خوش بو گھر میں پھیل جاتی۔ کتاب بند کرتی، خوش بو کم ہوتے ہوتے غائب ہو جاتی۔ ابتدا میں خوش بو صرف مجھے محسوس ہوئی، بعد میں دوسروں نے بھی محسوس کی اور تلاش کیا کہ کہاں سے آ رہی ہے۔ میں نے انجان بنتے ہوئے کسی سے ذکر نہیں کیا۔

ایک روز گھر میں مہمان آئے۔ پھپھو نے مجھ سے کہا، کوئی کتاب پڑھ کر سناؤ۔ میں 'کشف المحجوب' لے آئی۔ کتاب کھولی، خوش بو پھیل گئی اور کمرے میں موجود افراد نے بھی محسوس کی۔

پھپھو مجھے پیار سے عرفان شاہ کہتی تھیں۔

انہوں نے کہا، عرفان شاہ! تم نے کتاب کھولی تو خوش بو پھیل گئی۔

دن رات دعائیں کرتی تھی کہ یا اللہ! راہ نما سے ملا دے۔ والدہ سے کہا کہ بیعت ہونا ہے۔ ان کا کہنا تھا یہ نہیں ہو سکتا کیوں کہ تمہارے ابو جن دو بزرگوں کے عقیدت مند ہیں وہ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔

والد صاحب کی چھٹی حس بیدار تھی۔ واقعات کا قبل از وقت پتہ چل جاتا تھا۔ اکثر دن بھر پیش آنے والے واقعات ہمیں بتا کر ہائی کورٹ جاتے تھے۔

مثال کے طور پر ایک روز اماں سے کہا کہ تمہاری بہن اور بہنوئی آ رہے ہیں۔ راستے میں کوئی مسئلہ ہو گیا ہے، گھنٹے کی تاخیر سے پہنچیں گے۔ ارادہ تھا کہ ان سے ملاقات کر کے دفتر جاؤں گا لیکن دیر ہو جائے گی۔ میرا اسلام کہہ دینا۔

ایک گھنٹے بعد خالہ خالو گھر پہنچے تو بتایا کہ گاڑی خراب ہو گئی تھی ورنہ جلدی پہنچ جاتے۔

دادی بتاتی تھیں کہ ابو بچپن سے ایسے تھے۔ گاؤں میں کسی کی چیز گم ہو جاتی تو ابو کے پاس آتے تھے۔ ابو کہتے، فلاں کے پاس یا فلاں جگہ ہے۔ اور وہ چیز مل جاتی۔

میں پوچھتی تھی کہ ابو! آپ کو کیسے پتہ چلتا ہے؟

وہ کہتے تھے کہ بیٹا! میں نہیں جانتا، بس جو خیال آتا ہے کہہ دیتا ہوں۔

میں نے پوچھا، آپ نے بیعت کیوں نہیں کی؟

انہوں نے کہا، ہر طرف دکان داری ہے۔ اللہ کا بندہ ڈھونڈنا بہت مشکل ہے۔ ایسا بندہ — جس کی قربت میں اللہ کے سوا کسی کا خیال نہ آئے اور دل گواہی دے کہ یہ اللہ کا بندہ ہے۔ اور بیٹا! سچی بات یہ ہے کہ ہم طفلِ مکتب، راہ نما کی شان کیا جانیں؟ ایسے بندے کا ملنا بڑے نصیب کی بات ہے۔

ابو نے بتایا کہ چلتے پھرتے چیزیں روشن ہو جاتی تھیں اور میں روشنی میں بہت سی چیزیں دیکھ لیتا تھا۔ تمہاری دادی ماہرِ امراض چشم کے پاس لے گئیں۔ انہوں نے کہا، آنکھیں ٹھیک ہیں۔

میں سمجھتا تھا کہ ایسا سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر کھوئے ہوئے لہجے میں گویا ہوئے — میں بہت بے فکر اور آزاد ذہن آدمی تھا۔ بس جب سے تم لوگ جوان ہوئے ہو، تمہاری فکر میں مبتلا ہو گیا ہوں — ماورائی صلاحیت دب گئی ہے۔ ہمارے خاندان میں بڑے بڑے بزرگ گزرے ہیں لیکن،

وہ محفل اٹھ گئی جس دم مجھ تک دورِ جام آیا

مصرعہ پڑھ کر خاموش ہو گئے، آنسو چھلکے اور تشنگی محرومی بن گئی۔

قرآن کریم میں لکھا ہے کہ گھر کے دروازے سے آیا کرو یعنی دیواریں پھلانگ کر داخل مت ہو۔

''اور نیکی یہ نہیں کہ تم گھروں میں آؤ پیچھے سے، بلکہ نیکی یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرو اور گھروں میں دروازوں سے آؤ۔'' (البقرۃ: ۱۸۹)

اللہ تعالیٰ کے نظام میں ہر شے کا قانون اور ہر کام کے آداب ہیں۔ اگر کوئی اللہ کے دربار میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اسے وسیلہ تلاش کرنا ہوگا۔

''اور اس تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جدوجہد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

(المآئدہ: ۳۵)

مرید راہ سے واقف نہیں ہوتا اس لئے بہک سکتا ہے جب کہ راہ نما منزل رسیدہ ہوتا ہے۔ راستے کی بھول بھلیوں اور شیطان کے شکنجے سے نکلنے میں مرید کی مدد کرتا ہے۔ روحانیت شہرِ عشق ہے اور اس وادی میں اترنے کے لئے اولین عمل خود سپردگی ہے۔ طلب صادق ہو تو بندہ اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔

کالج میں فنکشن تھا۔ اسٹیج سے نیچے پھولوں کی پتیاں فرش پر بکھری ہوئی تھیں اور پیروں کے نیچے آ رہی تھیں۔ کسی کو پھولوں کی پروا نہیں تھی۔

دور کرسی پر بیٹھے ہوئے میں نے دیکھا کہ بھرے ہال میں سے ایک لڑکی سبک رفتاری سے آئی اور

زمین پر بکھرے پھول اکٹھے کر کے جھولی میں بھرنے لگی۔ پھول چنتے دیکھ کر حیا آئی اور میں اس کے ساتھ پھول چننے میں شریک ہوگئی۔

تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے پوچھا۔

لڑکی نے بتایا، وجاہت۔ نام بتا کر بولی، پھول محبت کی علامت ہیں، انہیں زمین پر نہیں ہونا چاہئے، ان کا احترام کرنا چاہئے۔

کیا مطلب؟ میرے ہاتھ رک گئے۔

وجاہت نے کہا، پھول ہمیں جن کی یاد دلاتے ہیں، وہ پھولوں سے زیادہ پاک اور مقدس ہیں۔

اندر میں ہوک اٹھی اور آنکھیں پانی بن گئیں۔

میں نے کہا، وجاہت! دعا کرنا مجھے بھی راہ نما مل جائے۔ مدت سے انتظار میں ہوں۔

وجاہت نے تعجب کا اظہار کیا، اچھا! میں سمجھی تم بھی اس راہ کی مسافر ہو اور راہ نما مل گیا ہے۔

وہ چلی گئی۔ میرے زخم تازہ ہوگئے۔

میں نے آتے جاتے لوگوں کو غور سے دیکھنا شروع کیا کہ شاید راہ نما مل جائے۔ راہ نما نہ صرف میری تلاش تھے بلکہ راز بھی تھے — ایسا راز جس سے میں ناواقف تھی۔

ان ہی دنوں کی بات ہے کہ پڑھا سنا مشاہدے میں آ گیا۔ سچ ہے کہ مانگنے والا جب دل سے پکارتا ہے تو دینے والا وسیلہ بنا دیتا ہے۔ خوابوں کی تصویریں بدل گئیں، ہر سمت شہنائیاں بجنے لگیں۔

خواب میں دیکھا — بڑا گیٹ ہے جس پر خانقاہ لکھا ہوا ہے۔ اندر داخل ہوتی ہوں۔ چلتے چلتے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کی صرف ایک رات باقی ہے۔ سوچتی ہوں یہ رات عبادت میں گزاروں گی۔ سامنے کمرا ہے جس کا دروازہ خوب صورت لکڑی سے بنایا گیا ہے۔ بند دروازہ کھولتی ہوں اور اندر جا کر خود سے بے خود ہو جاتی ہوں۔ (قسط: ۱)

وادیٔ الفت (کلام: حیرتؔ الہ آبادی)

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

آجائیں رعب غیر میں ہم وہ بشر نہیں
کچھ آپ کی طرح ہمیں لوگوں کا ڈر نہیں

اک تو شب فراق کے صدمے ہیں جاں گداز
اندھیرا اس پہ یہ ہے کہ ہوتی سحر نہیں

کیا کہئے اس طرح کے تلون مزاج کو
وعدے کا ہے یہ حال ادھر ہاں ادھر نہیں

رکھے قدم جو وادیٔ الفت میں بے دھڑک
حیرتؔ سوا تمہارے کسی کا جگر نہیں

زیرِ سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

تنظیمیہ روحانی لائبریری

برائے خواتین

روحانی علوم کے متلاشی خواتین و حضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طالبات و طلبہ کے لئے عظیمی صاحب کی کُتب اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

مکان نمبر 65 بلاک A-2، پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی

نزد جوہر ٹاؤن، لاہور۔ فون نمبر: 042-35185142

بے نظیر ممتاز
(یو اے ای)

بانجھ پن

اللہ نے مرد و عورت کو نظام میں تسلسل کے لئے پیدا کیا ہے۔ ہر عورت اور مرد میں ماں باپ بننے کی صلاحیت ہے یعنی باطنی علوم کی رُو سے دیکھیں تو بانجھ پن کا علاج ممکن ہے۔ اگر عورت و مرد کو اپنے اندر تخلیق کی مغلوب صلاحیت غالب کرنے کا علم ہو جائے تو کمی دور ہو سکتی ہے۔

عورت اور مرد ایک وجود کے دو رخ ہیں۔ دونوں باصلاحیت ہیں اور روپ بہروپ بدل کر مختلف کردار ادا کرتے ہیں۔ عورت کا بنیادی کردار 'ماں' اور مرد کی حیثیت 'باپ' کی ہے۔ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد عورت خود کو ماں کے روپ میں دیکھنے کی تمنا کرتی ہے اور مرد باپ بننا چاہتا ہے۔ رشتے دار خبر کے انتظار میں رہتے ہیں اور وقتاً فوقتاً اظہار کرتے ہیں جس سے نئی نویلی دلہن دباؤ میں آجاتی ہے۔ ماں بننا ہر عورت کی فطری خواہش ہے۔ کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو یہ ذہنی، جسمانی اور نفسیاتی مسائل کا موجب ہے لہٰذا تبصرہ کرنے والوں کو احتیاط کرنی چاہئے۔

ہمارے معاشرے میں ایک خامی یہ ہے کہ حمل میں تاخیر ہو جائے تو صنف نازک کی جانب سے اپنی صنف پر تنقید کی جاتی ہے جس سے نفسیاتی الجھنیں اور جسمانی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ زیادہ عرصے بے اولاد رہنا بانجھ پن کے خوف اور شک میں مبتلا کر دیتا ہے۔ رشتہ داروں کی بے حسی اور شوہر کی عدم توجہی سے عورت ازدواجی رشتے کو غیر محفوظ دیکھتی ہے، ڈر ہوتا ہے کہ شوہر دوسری شادی نہ کر لے۔

وجود میں وجود کی تخلیق ونشوونما اہم مرحلہ ہے جس سے گزرنے کے لئے جسمانی، ذہنی اور روحانی بالیدگی لازم ہے۔ اعصاب کم زور ہونے سے تولیدی اعضا کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ بلوغت میں داخل ہوتے ہی لڑکے اور لڑکی کو زندگی کے اگلے مراحل کی تیاری کے لئے باقاعدہ تربیت دی جائے۔

خاندانی نظام ــــ ادارہ ہے جس کا مقصد افرادِ معاشرہ کامل کر بچوں اور نوجوانوں کی تربیت کر کے نظام کو استحکام فراہم کرنا ہے تاہم بچوں سے دوستی نہ ہونے، کمیونیکیشن گیپ اور جھجک کی وجہ سے انہیں

بعض معاملات میں گھر سے راہ نمائی نہیں ملتی۔

تحقیق وتلاش کے مطابق عورت کے لئے ماں بننے میں ناکامی کی اہم وجہ خوف اور عدم تحفظ کا احساس ہے جس سے یقین کی قوت کم زور ہوتی ہے۔ وہ شادی کے بندھن کا ضامن اولاد کو سمجھنے لگتی ہے۔ دو تین سال گزر جائیں تو پہلے مرحلے میں معالج کے پاس جاتی ہے پھر ادھر ادھر کے ٹوٹکوں پر عمل کرتی ہے۔ وہاں سے بھی امید موہوم ہوجائے تو خود کو محرومی کے خول میں بند کرلیتی ہے۔ ممکن ہے کہ عورت صحت مند ہو مگر تاخیر کی وجہ سے خوف گہرا ہوکر امید سے ہونے کی راہ میں رکاوٹ بن گیا۔

تخلیق میں اہم بات یقین کی طاقت ہے۔ یقین عناصر کو ایک جگہ جمع کرکے خواہش کو مظہر بنا دیتا ہے۔ عورت معاشرے کا ستون ہے جسے مایوسی سے بچانے کے لئے خاندان کے ذمہ دار افراد کو کردار ادا کرنا چاہئے۔ وہ میاں، بیوی اور گھر والوں کی ذہن سازی کریں تاکہ عورت میں اعتماد پیدا ہو اور وہ رد کئے جانے کے خوف سے نکلے۔ اولاد نہ ہونے کی وجہ مرد میں کم زوری ہو تو بیوی کے ایثار کی بے شمار مثالیں ہیں۔ شوہر کو بھی چاہئے اولاد ہونے میں تاخیر ہوجائے تو دوست کا کردار ادا کرے کیوں کہ شریک سفر کا تعاون ڈھال بن جاتا ہے۔

بانجھ پن کیا ہے ــــ؟ محترم عظیمی صاحب نے کتاب 'محمد رسول اللہؐ۔ جلد سوم' میں لکھا ہے:

''بانجھ پن ایک مرض ہے جو مرد وخواتین دونوں میں پایا جاتا ہے۔ بانجھ پن کی دو اقسام ہیں:

۱۔ پرائمری بانجھ پن

۲۔ سیکنڈری بانجھ پن

پرائمری بانجھ پن پیدائشی ہوتا ہے یعنی تمام تولیدی اعضا موجود ہوں مگر بلوغت نہ ہو۔ تولیدی اعضا کے مکمل نہ ہونے کا مطلب بچہ دانی میں اسپرم داخل ہونے کا راستہ نہ ہو یا ٹیوب بند ہو۔ سیکنڈری بانجھ رحم کی ٹیوبز میں کسی قسم کے انفیکشن، ورم، تیزابیت، درد کے ساتھ بے قاعدگی، ایام نہ ہونا، زنانہ ہارمونز ایسٹروجن، پروجسٹرون معمول کے مطابق نہ بننا، ذہنی ہیجان، ova کا نہ بننا ہے۔ سن یاس (عمر رسیدہ ہو جانا)، ہارمونز نہ بننے کی وجہ سے تولیدی اعضا سکڑ جاتے ہیں اور تولید کے قابل نہیں رہتے۔''

اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت کو نظام میں تسلسل کے لئے پیدا کیا ہے۔ ہر عورت اور مرد میں ماں باپ بننے کی صلاحیت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ باطنی علوم کی رُو سے دیکھیں تو بانجھ پن کا علاج ممکن ہے۔ اگر عورت ومرد کو اپنے اندر تخلیق کی مغلوب صلاحیت غالب کرنے کا علم ہوجائے تو کمی دور ہوسکتی ہے۔

پیغمبر زکریاؑ کی عمر 120 اور ان کی زوجہ کی 98

سال بتائی جاتی ہے۔ وہ بے اولاد تھے۔ اولاد کی دعا کی۔ اللہ نے دعا قبول فرمائی۔

''دیکھو ہم نے اس کی پکار سن لی۔ اسے یحییٰؑ عطا کیا اور اس کی بیوی کو اس کے لئے تن درست کر دیا۔'' (الانبیآء:۹۰)

محترم عظیمی صاحب نے واقعے کی روحانی توجیہ میں تصرف کا قانون بیان کیا ہے کہ جب توجہ ایک خیال میں مرکوز ہو اور یقین کی تکمیل ہو جائے تو 'چاہنا' یا 'ارادہ' مظاہرہ بن جاتا ہے۔

''فرد میں اگر شک کے بجائے یقین کا رخ غالب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ انبیائے کرام کی تعریف یہ ہے کہ وہ اللہ پر ہر حال اور قال میں یقین رکھتے ہیں۔ حضرت زکریاؑ نے جب اپنے وارث کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے یحییٰؑ کی بشارت دی اور فرمایا: 'اس کی نشانی یہ ہے کہ تو تن درست ہونے کے باوجود تین دن تک بول نہیں سکے گا اور تو اللہ کی زیادہ سے زیادہ تسبیح کر۔' جب یہ نشان ظاہر ہوا تو حضرت زکریاؑ نے اور زیادہ عبادت شروع کر دی اور اپنے حواریوں سے بھی فرمایا کہ وہ زیادہ سے زیادہ اللہ کی پاکی بیان کریں اور دعائیں مانگیں۔ تین دن، رات یعنی چار ہزار تین سو بیس منٹ تک خاموشی میں حضرت زکریاؑ کا ذہن اس طرف متوجہ رہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بیٹا عطا کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ چار ہزار تین سو بیس منٹ تک ان کا ذہن یقین کے ساتھ یہ بات دہراتا رہا کہ میں باپ بننے والا ہوں۔ اس خیال کی تکرار اور عبادت سے بوڑھے جسم میں حرارت پیدا ہو گئی اور تولیدی نظام بحال ہو گیا۔''

معاشرتی مسائل میں بنیادی مسئلہ رویے ہیں۔ مذاق اڑانا، تنقید کرنا، خامی کو نمایاں کرنا، لعن طعن اور ایسی باتیں جن سے عزت نفس متاثر ہو — فرد میں جھجک پیدا کرتی ہیں۔ وہ مجبور ہو کر معاشرے کی وجہ سے خود کو تکلیف میں رکھتا ہے۔

عورت کے بانجھ پن پر بلا جھجک بات کی جاتی ہے، مرد کے بانجھ پن کا ذکر نہیں ہوتا۔ اگر خامی مرد میں ہے تو وہ اپنی کم زوری ظاہر نہیں کرتا۔ بیوی کی عمر علاج میں گزر جاتی ہے مگر شوہر لاپروائی اختیار کرتا ہے۔

دوسری طرف عورت بحیثیت بیوی اپنے شوہر کی خامی کو راز رکھتی ہے اور ساری عمر نباہ کرتی ہے جب کہ مرد اس معاملے میں بہت کم ایثار کرتا ہے۔

دنیاوی خرافات چھوڑ کر اولاد سے محروم جوڑے کو ایک دوسرے کا ساتھ دے کر علاج کروانا چاہئے۔ مرد علاج کے لئے آمادہ ہو جائے تو بچوں سے خالی گھر آباد ہو جائیں گے، انشاءاللہ۔

علاج سے نہ صرف کائناتی نظام رواں دواں رہتا ہے بلکہ فرد شریک حیات اور خود اپنے آپ کو تکلیف

سے بچالیتا ہے۔آپ اپنے گھر میں اور باتیں کرنے والے اپنے گھر میں رہتے ہیں۔لوگوں کے خوف کے بجائے علاج سے اپنے اندر میں کم زوری دور کریں۔ علاج کرنا سنت ہے۔

اللہ قادر مطلق ہے۔ ہر امر کا نظام اس کے حکم سے ہے۔اللہ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا تو حکم دیتا ہے کہ ہو ــــ وہ ہوجاتی ہے۔اللہ نے یہ صلاحیت مخلوق کو عطا کی ہے۔مخلوق دو رخوں سے مرکب ہے۔ایک رخ جسم اور دوسرا روح ہے۔جسم لباس ہے اور لباس میں حرکت روح کی وجہ سے ہے۔روح جسم سے منقطع ہوجائے تو ایسے جسم کو لاش یا ڈیڈ باڈی کہتے ہیں۔ بیداری کی دنیا کی طرح روح کی صلاحیت کا ایک اور مظاہرہ خواب کی دنیا ہے۔

احکم الحاکمین اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''یہ لوگ تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور تمہیں اس کا قلیل علم دیا گیا ہے۔''

(بنی آسرآءیل:۸۵)

اللہ کی صفات لامتناہی ہیں اس لئے اللہ کا عطا کردہ قلیل علم بھی لامحدود ہے۔

روح کی بنیادی صلاحیت یقین ہے اور یقین ایک سمت یعنی صراط مستقیم اختیار کرنا ہے ــــ وہ راستہ جس میں ذہن تقسیم ہونے یا بکھرنے سے محفوظ رہتا ہے اور تخلیقی صلاحیت غالب ہوتی ہے۔

ذہن مرتکز ہونے کی ایک اور مثال عمران اور بی بی حنہ کی ہے جو بے اولاد تھے۔صحن میں چہل قدمی کے دوران بی بی حنہ نے دیکھا کہ پرندہ بچے کو کھانا کھلا رہا ہے۔ مامتا کے جذبات سے دل بھر آیا۔دعا کی،

''اے میرے پیارے اللہ! مجھے اولاد عطا کرتا کہ وہ ہم دونوں کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بنے۔''

چند روز کے بعد محسوس کیا کہ وہ ماں بننے والی ہیں۔ شکرانے کے طور پر نذر مانی کہ بچے کو مسجد اقصیٰ کی خدمت کے لئے وقف کریں گی۔

اللہ نے انہیں بی بی مریمؑ سے نوازا۔(بی بی مریمؑ کے بطن سے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بھی اللہ کی صفت خالقیت اور قدرت کا مظاہرہ ہے۔)

بی بی حنہ کے واقعے میں بے اولاد خواتین و حضرات کے لئے بڑی راہ نمائی ہے۔

۱۔ مظاہر کائنات میں تفکر: بی بی حنہ کا پرندے کو دیکھ کر ممتا کا جذبہ ابھرنے میں حکمت یہ ہے کہ اولاد کی نعمت سے محروم خواتین مظاہر فطرت میں تفکر کریں۔ فطرت میں یکسوئی، یقین اور امید ہے۔ اس سے ایک نقطے پر مرتکز ہونے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے جو تخلیق کے لئے ضروری ہے۔ بے اولاد

خواتین کا ذہن خوف میں یکسو ہوتا ہے۔ جب وہ مظاہر فطرت میں تفکر کرتی ہیں تو ذہن یقین میں یکسو ہوجاتا ہے۔

۲۔ نذر ماننا: بی بی حنہ کی دعا کا مرکز اللہ کی خوش نودی تھی۔ وہ چاہتی تھیں کہ بچہ صرف اللہ کی رضا کے کام کرے۔ انہوں نے نذر پوری کی اور اللہ نے ان کی اولاد بی بی مریمؑ کو کائنات میں ممتاز کردیا۔

سبق: ہر عورت ماں بننے کی خواہش کے ساتھ یہ دعا کرے کہ یا اللہ! آپ لڑکی عطا کریں یا لڑکا— وہ آپ کے محبوب حضرت محمدؐ کے مشن کے فروغ کا باعث ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ یقین کی قوت سے بانجھ پن کا علاج ممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قرب کی چاہ رکھنے والی خواتین حمل ٹھہرتے ہی ایسے خیالات وصول کرنا شروع کرتی ہیں جن سے اولاد کی بہترین تربیت اور معاشرے میں مثبت ارتقا ہوتا ہے۔

ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات قرآن کریم میں بیان ہے۔ ایسا کوئی مسئلہ نہیں جس کا حل قرآن میں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے،

''اس سے ذرّہ برابر کوئی چیز نہ آسمانوں میں چھپی ہے نہ زمین میں۔ نہ ذرّے سے بڑی نہ اس سے چھوٹی۔ سب کتاب مبین میں درج ہے۔'' (سبا:۳)

دنیا اگلے مرحلے میں داخل ہوچکی ہے اور خواتین کا دور شروع ہوگیا ہے۔ خواتین کو چاہئے کہ نسل کے فروغ، اچھی تربیت اور دنیا کے نظام کو احسن طریقے پر چلانے کے لئے الہامی کتاب قرآن کریم پڑھیں اور آیات پر غور کریں۔ انبیائے کرام کے واقعات میں حکمت تلاش کریں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھنے سے یقین پیدا ہوتا ہے کہ حالات کتنے نامساعد کیوں نہ ہوں، اللہ قادر و قدیر اور محیط ہے، رحمٰن و رحیم ہے اور ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

بانجھ پن دور کرنے کا روحانی علاج

اولاد نہ ہونے کے بے شمار اسباب ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ عورت کے اندرونی نظام میں مرض واقع ہوجائے یا مرد کے اندر اولاد کے جرثومے نہ ہوں۔ اگر مرد اور عورت دونوں کی صحت ٹھیک ہے اور استقرار حمل نہیں ہوتا تو علاج سے، اللہ چاہے تو ماں کی گود بھر جاتی ہے۔

بانجھ پن دور کرنے کا عمل کتاب 'روحانی علاج' میں صفحہ نمبر 99 پر موجود ہے اور کتاب میں اجازت کا عمل بھی لکھا ہے۔ اس سلسلے میں بہت ضروری ہے کہ غیبت سے پرہیز کریں۔

جواہر ناتھ ساقی

سلوکِ طریقت

تعین تسلسل ہے نقش بدن کا
اسی سے تعلق ہے یہ جان و تن کا
تصوف تبدل ہے عادات بد کا
تعرف نتیجہ ہے خلق حسن کا
وہی گل شجر ہے وہی بوستاں ہے
وہی آپ ہے باغباں اس چمن کا
رم و شوق کی بھی عجائب کشش ہے
برا حال ہے عاشق خستہ تن کا
جو سر خفی ہے وہ عین جلی ہے
کھلا آج عقدہ یہ سر دہن کا
لطائف میں مضمر ہے تصویر وحدت
یہ خلوت میں پیدا ہے لطف انجمن کا
نہاں سے عیاں ہے عیاں میں نہاں ہے
یہ جادہ ملا ہے سفر در وطن کا
سلوک طریقت ہے آفاق و انفس
کہ جلوہ ہے تنزیہہ میں سیم تن کا
وہ بے پردہ بھی پردہ پوش نظر ہے
حجاب آگیا ہے ہمیں حسن ظن کا
کبھی شاد و خنداں کبھی زار و نالاں
تماشا ہے ساقی کے دیوانہ پن کا

سید اسد علی

ہم کیا دیکھتے ہیں ــــ؟

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرد کو باغ کے وجود کا احساس باغ کی وجہ سے نہیں، دماغ میں برقی کیمیائی تبدیلیوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کسی سبب سے دماغ میں یہ تبدیلیاں نہ ہوں تو باغ سامنے ہوگا مگر فرد باغ کو دیکھنے سے قاصر رہے گا۔

سورج کا مشرق سے نکلنا اور مغرب میں ڈوبنا، چاند کا چاندنی پھیلانا اور چھپ جانا، موسموں کی تبدیلی، کالی گھٹائیں اور بارش سے زمین کا منظر بدلنا، دنوں کا گزرنا اور ہر دن کا نیا معلوم ہونا قدرت کے مظاہر میں سے ہے۔ نوعِ آدم ابتدا سے اپنے ماحول پر تفکر کر رہی ہے۔ مظاہر اسے نظام فطرت کے متعلق آگاہی فراہم کرتے ہیں اور حیران بھی کرتے ہیں۔ حالات، تجربات اور مشاہدات سے آدمی نے روزمرہ زندگی کے متعلق بہت کچھ سیکھا ہے۔ سیکھنے کے مراحل میں ان گنت سوالات کے تسلی بخش جواب کے لئے ہر دور میں دانش ور غور و خوض میں مصروف رہتے ہیں۔ کبھی سوالات تقریباً حل ہو جاتے ہیں اور کبھی حل ہوتے ہوتے مزید الجھ جاتے ہیں۔ ان میں ایک سوال یہ ہے کہ جب ہر شے متغیر ہے، ہر لمحہ گزر جاتا ہے، تخلیقات اور ایجادات وقت گزار کر فنا ہو جاتی ہیں پھر حقیقت کیا ہے اور جس دنیا کو حقیقی سمجھا جاتا ہے، اسے چھوڑ کر کیوں جاتے ہیں ــــ؟

آدمی دو رخوں میں زندگی گزارتا ہے۔ ایک رخ بیداری اور دوسرا خواب ہے۔ قرآن کریم میں ان کو دن اور رات کہا گیا ہے۔

''داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔'' (آل عمران: ۲۷)

''رات سے دن اور دن سے رات نکالنے والا اللہ ہی ہے۔'' (الحج: ۶۱)

''اور ان کے لئے رات ایک نشانی ہے ہم دن کو اس سے ادھیڑ لیتے ہیں۔'' (یٰسٓ: ۳۷)

خواب کی زندگی میں وہ پرت غالب ہوتا ہے جس کی صلاحیت بیداری سے ہزاروں گنا زیادہ ہے تاہم اکثریت خواب کو خیالی اور غیر حقیقی کہہ کر نظر انداز کر دیتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آدمی سمجھتا ہے کہ

خواب میں پیش آنے والے واقعات انفرادی ہیں، ان کا بیداری سے تعلق نہیں۔خواب جو زندگی کا نصف ہے، قطعی طور پر خیالی اور مفروضاتی دنیا نہیں بلکہ بیداری کی زندگی سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ علاوہ ازیں کئی دفعہ خواب میں مشاہدات کی حیثیت اجتماعی ہوتی ہے۔

جناب بہادر پرشاد صاحب بیان کرتے ہیں:

میں تین سادھوؤں سے ملاقات کے بعد گھر آیا۔ رات کو حالتِ خواب میں دیکھا کہ بابا تاج الدینؒ گھر تشریف لائے ہیں۔ میں اٹھا اور بیوی سے کہا کہ اٹھو! چائے بناؤ۔ دیکھتی نہیں کہ آج بابا صاحبؒ نے ہمارے گھر تشریف لا کر کتنی عزت بخشی ہے۔بیگم نے چائے پیش کی۔ بابا صاحبؒ نے چائے پی اور فرمایا، چل رے تیرے کو تیرتھ* کرالاؤں۔

میں بابا صاحبؒ کے ساتھ گھر سے نکلا تو انہوں نے فرمایا، ان تینوں سادھوؤں کو بھی ساتھ لے لو۔ حکم کی تعمیل کی۔ آگے آگے باباصاحبؒ تھے، درمیان میں سادھو اور پیچھے میں۔ لمحے بھر میں ہم بنارس پہنچ گئے اور درشن کے بعد گیا جی پہنچ کر وہاں بھی درشن کیا۔ بابا تاج الدینؒ نے فرمایا، چلو! جگن ناتھ جی کا بھی درشن کرلیں۔

ہم لوگ جگن ناتھ جی پہنچے اور درشن سے فارغ ہو کر بازار میں آئے۔ ایک سادھو نے مجھ سے کہا، جگن ناتھ جی کی نشانی ایک لوٹا دلا دو۔ قیمت پوچھی تو دکان دار نے تین یا چار روپے بتائی۔ قیمت مناسب کرنے کا کہا، وہ بولا یہی مناسب قیمت ہے۔ لوٹا خرید کر سادھو کے حوالے کیا۔خواب ختم ہوا۔

شام کو سادھوؤں کے استھان* پہنچا تو وہ موجود نہیں تھے۔شکر درہ روانہ ہوا تاکہ بابا صاحبؒ کی زیارت کروں۔ محل کے صدر دروازے کے قریب تینوں سادھوؤں میں سے ایک کو دیکھا۔ایک طرف وہی لوٹا رکھا ہوا تھا جو میں نے جگن ناتھ جی سے خرید کر دیا تھا۔ حیران رہ گیا کہ زیارت اور لوٹا خریدنے کا واقعہ عالمِ بیداری میں پیش آیا یا خواب میں—؟

سادھو سے پوچھا۔آپ یہاں کس لئے آئے ہیں اور یہ لوٹا کہاں سے لیا—؟

سادھو نے مسکرا کر جواب دیا، بہت جلد بھول گئے آپ، یہ وہی لوٹا ہے جو آپ نے جگن ناتھ جی میں دلایا تھا۔ باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تاکہ ان سے مکتی (نجات) کا مارگ حاصل کروں۔

سادھو کے زبان سے اتنا سننا تھا کہ میں بے خود ہو کر محل میں داخل ہو گیا۔

دیکھا کہ باباصاحبؒ میری طرف آرہے ہیں۔ قریب آکر فرمایا، بڑے ساہوکار کے بیٹے! ڈھائی

---

* تیرتھ (اشنان کی جگہ) * استھان (مسکن، آستانہ)

روپے کے لوٹے کے اتنے دام دے دیئے—؟
میں ان کے قدموں میں گر پڑا۔

خواب میں پانچ افراد تھے—بابا تاج الدینؒ، بہادر پرشاد اور تین سادھو۔ سب کو بیدار ہونے کے بعد خواب یاد تھا۔ بابا تاج الدینؒ کے تصرف سے خواب بیداری میں منتقل ہوگیا۔

بابا تاج الدینؒ کے عقیدت مند حسام الدین صاحب واقعہ بیان کرتے ہیں کہ بابا صاحبؒ نے خواب میں دایاں ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے دست مبارک تھام لیا۔

بیداری میں ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا، خواب میں ہاتھ ملایا ہے وہ بس ہے۔

محترم عظیمی صاحب کی تصنیف 'خواب اور تعبیر' میں تحریر ہے:

''جب انسانی ارادہ اور شعور کسی چیز میں مرتکز ہوجاتا ہے (خواہ بیداری ہو یا خواب) تو وہ تصور سے عمل میں بدل جاتی ہے۔ یعنی وہ چیز مظہر بن کر سامنے آجاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہئے کہ chemical impulse ان تصورات کو خدوخال دے کر مظہر بناتے ہیں۔ الیکٹرک امپلس electric impulse جب کیمیکل امپلس میں تبدیل ہوجاتے ہیں تو تصور مادی نقش ونگار کا روپ دھار کر شکل وصورت میں رونما ہوجاتا ہے۔

قانون: جو چیز الیکٹرک امپلس سے کیمیکل امپلس میں بدل جاتی ہے، اس کا اثر خواب کی طرح بیداری کے حواس پر بھی معین وقفے تک موجود رہتا ہے۔

خواب یا بیداری دونوں حالتوں میں یہ دونوں ایجنسیاں برسرعمل رہتی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ خواب میں الیکٹرک امپلس (برقی تحریکات) کی کارکردگی زیادہ ہوتی ہے اور بیداری میں کیمیکل امپلس کی کارکردگی نمایاں ہوتی ہے۔ اگر بیداری کی طرح خواب میں بھی کیمیکل امپلس نمایاں ہوجائے تو ایسی صورت میں خواب میں دیکھی ہوئی، محسوس کی ہوئی یا چکھی ہوئی کوئی چیز بیداری میں بھی خواب کی طرح نظر آتی ہے۔

مثال: خواب میں ہم سنگترہ کھاتے ہیں اور اس کا مزا بھول جاتے ہیں۔ کیوں بھول جاتے ہیں؟ اس لئے کہ سنگترہ اور سنگترہ کا مزا ہمیں الیکٹرک امپلس کے ذریعہ موصول ہوا ہے—لیکن یہی مزا اگر خواب میں الیکٹرک امپلس سے کیمیکل امپلس میں بدل جائے تو ہم سنگترہ اور سنگترہ کے ذائقے کو بیداری میں بھی محسوس کریں گے۔''

روحانی ہستیاں حقیقت کی تلاش کے لئے خواب کی اہمیت واضح کرتی ہیں۔ ابدالِ حق فرماتے ہیں:

''جس کو ہم خواب دیکھنا کہتے ہیں وہ ہمیں روح اور

روح کی صلاحیتوں کا سراغ دیتا ہے۔''

صوفیائے کرام نے تعلیمات میں خواب کی دنیا (عالمِ مثال) کی طرف متوجہ کیا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کتاب 'حجۃ اللہ البالغۃ' میں فرماتے ہیں:

''عالمِ موجودات میں ایک ایسا عالم ہے جو غیر عنصری ہے جس میں معانی ان اجسام کی صورت میں مشکل ہوتے ہیں جو اوصاف کے لحاظ سے مناسب ہوں۔ اشیا کا وجود پہلے اس عالم میں ہوتا ہے، پھر دنیا میں ہوتا ہے اور دنیا عالمِ مثال کا عکس ہے۔''

صوفیائے کرام کی تعلیمات کے برعکس مادہ پرست لوگ مادے کو حقیقت سمجھتے ہیں۔ بابا تاج الدینؒ مادہ پرستی کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں،

مانَس ہے سب آتما، مانَس ہے سب راکھ
بِندی کی گنتی نہیں، بِندی میں سو لاکھ

ترجمہ: آدمی سب کا سب آتما (روح) ہے اور سب کا سب مٹی (راکھ) بھی ہے۔ صفر اگرچہ شمار نہیں کیا جاتا لیکن صفر سے گنتی کی قیمت لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔

تشریح: آدمی صرف گوشت پوست کا مجسمہ نہیں۔ دراصل گوشت پوست روح کا لباس ہے لیکن آدمی نے خود کو مظاہر (مٹی) کا پابند بنا رکھا ہے۔ اگر فرد صفر یعنی لاشعوری صلاحیتوں سے واقفیت حاصل کرلے، روح کا عرفان حاصل کرلے تو قدرت کے ان گنت رازوں سے واقف ہوسکتا ہے۔

الہامی تعلیمات بتاتی ہیں کہ ہماری مادی کائنات حقیقت نہیں، حقیقت کا عکس ہے۔ موجودہ دور میں virtual reality کے شعبے میں ہونے والی تحقیق سے اکثر دانش ور اور ماہرین اب تسلیم کرتے ہیں کہ مادی کائنات حقیقت کا عکس ہے۔

ہم کسی چیز کو کیسے دیکھتے ہیں—؟

مثال: موجودہ علوم کے مطابق اگر کوئی فرد باغ دیکھ رہا ہے تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ روشنی باغ اور باغ میں موجود اشیا سے ٹکرا کر فرد کی آنکھوں پر پڑتی ہے اور باغ کا عکس منتقل ہوتا ہے۔ آنکھوں میں موجود حسّی اعصاب روشنی کی لہروں کے پیغام کو لے کر دماغ تک جاتے ہیں۔ اس عمل میں برقی کیمیائی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ دماغ ان تبدیلیوں کو سمجھتا ہے اور بتاتا ہے کہ سامنے باغ ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرد کو باغ کے وجود کا احساس باغ کی وجہ سے نہیں، دماغ میں برقی کیمیائی تبدیلیوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کسی سبب سے دماغ میں یہ تبدیلیاں نہ ہوں تو باغ سامنے ہوگا مگر فرد باغ کو دیکھنے سے قاصر رہے گا۔

اسی طرح جب فرد چڑیوں کی چہچہاہٹ سنتا ہے تو دراصل پرندوں کے نغمے کی آواز کان کے پردے

سے ٹکراتی ہے۔ حسّی اعصاب لہروں کو دماغ کے سماعتی حصے تک پہنچاتے ہیں۔ دماغ ماحول سے پیدا ہونے والی برقی کیمیائی تحریکات کا ترجمہ پرندوں کی چہچہاہٹ میں کرتا ہے اور فرد پرندوں کی آوازیں سریلے نغمے کی صورت میں سنتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے آواز کی لہریں پیدا ہونے کے باوجود دماغ میں برقی کیمیائی تبدیلیاں نہ ہوں ہو تو فرد چہچہاہٹ قریب ہونے کے باوجود نہیں سنے گا۔

یہی مثال شامہ یا سونگھنے کی صلاحیت کی ہے۔ خوش بو یا بد بو دماغ میں برقی کیمیائی تبدیلیوں کی وجہ سے محسوس ہوتی ہیں ورنہ محسوس نہیں ہوتیں۔

ہاتھ میں برف ہے۔ جب حسّی اعصاب دماغ کو شے کی اطلاع فراہم کرتے ہیں تو جسم کو گرم یا ٹھنڈی شے کا احساس ہوتا ہے یعنی برقی کیمیائی تبدیلیاں پیدا ہونے سے جسم برف کو محسوس کرتا ہے۔

آدمی خالی کمرے میں بیٹھا ہے۔ کمرے میں اندھیرا ہے۔ اس کی آنکھوں کو ایسی روشنی فراہم کی جاتی ہے جو باغ کے منظر سے متعلق ہے یا دماغ میں ایسی برقی کیمیائی تبدیلیاں پیدا کی جاتی ہیں جن کا ترجمہ دماغ باغ کی صورت میں کرتا ہے یعنی خالی کمرے میں اپنے سامنے باغ کا منظر دیکھتا ہے۔ برقی کیمیائی تبدیلیاں باغ کے منظر سے جتنا قریب ہوں گی، باغ کا تاثر اتنا گہرا ہوگا، وہ پرندوں کو غزل خواں دیکھے گا، خنک ہوا محسوس کرے گا، سبک رفتاری سے بہنے والا پانی دیکھ کر اندر میں پیاس کا تقاضا ابھرے گا۔ مثال پڑھ کر سوال اہمیت اختیار کر لیتا ہے کہ مادیت جسے ہم حقیقی سمجھتے ہیں، وجود رکھتی ہے؟

غور کریں اور جو جواب ذہن میں آئے، لکھ کر بھیج دیں۔ یہ بھی بتائیں کہ مثال سمجھ میں آنے کے بعد کیا دنیا کو دیکھنے کا زاویہ تبدیل ہوا یا وہی ہے جو مثال پڑھنے سے پہلے تھا؟

اب خلاصہ پڑھیے۔

۱۔ آدمی دو حواس میں زندگی گزارتا ہے۔ ایک کا نام دن اور دوسرے کو رات کہتے ہیں۔

۲۔ دن کے حواس محدود اور رات کے لامحدود ہیں۔ آدمی رات کے حواس کو خیالی اور مفروضہ قرار دیتا ہے اور دن کے مفروضے کو حقیقت گمان کرتا ہے۔

۳۔ رات کے حواس حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔

حقیقت اور مفروضے میں فرق نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ فرد مادیت کو میڈیم بنا کر دیکھتا اور سنتا ہے۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں:

”یہ انسان کی سب سے بڑی محرومی ہے کہ اس نے محسوسیت (مادیت) کو میڈیم بنا رکھا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اسے استعمال کرے اور جتنا

زیادہ چاہے استعمال کرے البتہ یہ بہت بڑا ستم ہے کہ وہ اس ہی پر اپنی ذات کو منحصر کر دے۔ ذات جب محسوسیت (مادیت) پر منحصر کر دی جاتی ہے تو ذات بالکل معطل ہو جاتی ہے اور انسان محسوسیت کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتا ہے۔ اب محسوسیت کھلونے کو توڑ دے یا محفوظ رکھے یہ اس کی مرضی ہے۔ فی الواقع غلامی کو ساری دنیا برا سمجھتی ہے لیکن تمام نوع انسانی نے محسوسیت (مادیت) کی غلامی کا طوق فخریہ اپنے گلے میں ڈال رکھا ہے۔ خواب اور خیال سے فائدہ نہ اٹھانے کا اصل سبب یہی ہے۔ خواب ورائے محسوسیت (ورائے مادیت) سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اسے محسوسیت (مادیت) ناپسند کرتی ہے اور جب یہ انسانی زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح بیداری کا عمل دخل ہوتا ہے تو محسوسیت ہر طرح کی رکاوٹ ڈالنے لگتی ہے اور ہر دروازے میں دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی ہے تا کہ ورائے محسوسیت عملی زندگی میں داخل نہ ہو سکے۔''

بابا تاج الدین ناگپوریؒ حقیقت جاننے کا فارمولا سادہ الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ حواس خیال کے تابع ہیں۔ خیال نہ آئے تو کوئی حس محسوس نہیں ہوتی۔ خیال کا ایک نام تفکر ہے۔ فرماتے ہیں:

''سمجھا جاتا ہے کہ حواس تفکر سے الگ کوئی چیز ہے حالاں کہ تفکر سے الگ ان کا کوئی وجود نہیں۔ انسان محض تفکر ہے، فرشتہ محض تفکر ہے، جن محض تفکر ہے علیٰ ہٰذا القیاس ہر ذی ہوش تفکر ہے۔''

خواتین و حضرات قارئین سے التماس ہے کہ مضمون میں گہرائی کے پیش نظر اگر ذہن میں کوئی سوال آئے تو لکھ کر بھیج دیں۔ ''ماہنامہ قلندر شعور'' کی کوشش ہوگی کہ جواب لکھا جائے۔

(ادارہ)

دانائے راہ (کلام: حضرت علامہ اقبالؒ)

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ

علم کا مقصود ہے پاکیِ عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب و نگاہ

علم فقیہ و حکیم فقر مسیح و کلیم
علم ہے جویائے راہ فقر ہے دانائے راہ

فقر مقامِ نظر علم مقامِ خبر
فقر میں مستی ثواب علم میں مستی گناہ

علم کا 'موجود' اور فقر کا 'موجود' اور
اشھد ان لا الٰہ اشھد ان لا الٰہ

دل اگر اس خاک میں زندہ و بیدار ہو
تیری نگہ توڑ دے آئنہ مہر و ماہ

ڈاکٹر نعیم ظفر

سوچ میں سوچ

پہلی قسط کا خلاصہ: مظاہر خیالات کا عکس ہیں۔ خیال شبیہ در شبیہ باطن پر وارد ہوتا ہے۔ باطن کی انسپائریشن کو آدمی عادتاً ظاہر میں دیکھتا ہے، اس کے تحت ایجادات کرتا ہے اور ایجادات سے خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ غفلت یہ ہے کہ ذہن اینٹی کلاک وائز سوچنے کا عادی نہیں یعنی جن خیالات کو ظاہر میں دیکھنے کا خواہش مند ہے، ان کا سورس کیا ہے، اس بارے میں نہیں سوچتا۔ اس طرح ظاہر، باطن اور ظاہر میں اطمینان کی جستجو نسل در نسل جاری رہتی ہے۔ آدمی نے خیالات کی پیائش مٹی کے کئی رخوں سے کی ہے۔ ان میں پتھر کا دور، لوہے کا دور، تانبے کا دور، میکانکی و حرکی دور اور فی زمانہ سلیکان (ریت) کا دور شامل ہے۔ تاہم یہ سارا سفر سوچ اور سوچ کے درمیان ہے۔

محققین کہتے ہیں کہ آدمی کے دماغ میں سگنل کی رفتار 200 اعمال فی سیکنڈ * ہے اور خارجی مظاہر میں اس طرح کی فعالیت کے لئے کمپیوٹر chip استعمال کی جاتی ہے جس کی رفتار دو ارب اعمال فی سیکنڈ ہے۔ (یاد رہے کہ دونوں رفتاروں کا تعین مادی آلات سے کیا گیا ہے۔) اس دوران کرنٹ کے بہاؤ اور نادیدہ تاروں میں رگڑ کی وجہ سے حدت خارج ہوتی ہے جو ماہرین کے مطابق خلائی راکٹ کے فی مربع سینٹی میٹر پرواز کے دوران خارج ہونے والے ایندھن سے کئی گنا زیادہ ہے۔

جس طرح دماغ قدرتی طور پر ہمہ وقت ان گنت افعال میں مصروف ہوتا ہے مگر آدمی کے درجۂ حرارت میں اضافہ نظر نہیں آتا، اسی طرح دماغ کی چپ کے حجم (سائز) کا بھی صحیح اندازہ نہیں ہو سکا۔ البتہ دماغی چپ کی صلاحیت سے متعلق پیغمبران کرام اور اولیاء اللہ کے واقعات موجود ہیں۔

پیغمبر سلیمانؑ نے دربار میں حاضرین سے فرمایا، میں چاہتا ہوں کہ ملکہ سبا کے یہاں پہنچنے سے پہلے اس کا تخت دربار میں موجود ہو۔ نوعِ جنات کے ایک فرد نے دربار برخاست ہونے سے پہلے تخت لانے کا دعویٰ کیا۔ یہ سن کر ایک انسان، تاریخ میں جس کا نام آصف بن برخیا بتایا گیا ہے، نے کہا، آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے تخت حاضر ہوگا۔ کم و بیش پندرہ سو (1500) میل دور سے تخت حاضر ہو گیا۔

کمپیوٹر چپ سے خارج ہونے والی حدت کا

* آدمی کو جو سگنل مل رہے ہیں ان کی رفتار ایک سیکنڈ میں دو سو (200) اعمال ہیں۔

سادہ تجربہ قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ڈیسک ٹاپ کمپیوٹر میں حساب اور دیگر امور خاص چپ میں انجام پاتے ہیں۔ یہ وہی چپ ہے جو ایک سیکنڈ میں دو ارب افعال انجام دیتی ہے۔اسے مائیکرو پروسیسر بھی کہا جاتا ہے جسے آپ کمپیوٹر کے اندر لگا ہوا دیکھ سکتے ہیں ۔ٹیکنالوجی میں ترقی کے ساتھ اب اس طرح کے آٹھ مائیکرو پروسیسر ایک چپ میں سما جاتے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ اس طرز کی چپ ایک سیکنڈ میں تقریباً 16 ارب افعال انجام دے سکتی ہے۔

رفتار اور حرارت میں مطابقت ہے۔ رفتار جس قدر زیادہ ہوتی ہے، حرارت کا اخراج اسی مناسبت سے بڑھتا ہے۔ مائیکرو پروسیسر سے خارج ہونے والی حرارت سے کمپیوٹر راکھ ہوسکتا ہے لہٰذا سسٹم کو محفوظ رکھنے کے لئے چپ پر دھاتی پنکھا لگایا جاتا ہے۔

تجربہ: کمپیوٹر بند کر کے پنکھا مائیکرو پروسیسر سے الگ کرلیں۔ایلومینیم فوئل سے چھوٹی پلیٹ بنائیں۔ پلیٹ کا سائز مائیکرو پروسیسر کی بیرونی سطح جتنا ہو۔ اب کمپیوٹر آن کریں۔ ایلومینیم فوئل پلیٹ گرم ہونے پر اس میں ایک ٹیبل اسپون گھی ڈالیں۔ گھی سے بلبلے اٹھیں تو انڈا توڑ کر پھیلا دیں۔ انڈا فرائی ہونے کی آواز آئے گی۔ چاہیں تو چمچ سے انڈا پلٹ سکتے ہیں۔ حسب ذائقہ نمک اور کالی مرچ ڈالیں۔ چند سیکنڈ میں فل فرائی انڈا تیار ہے۔ تجربے کے فوراً بعد کمپیوٹر بند کرنا مت بھولیں ورنہ مائیکرو پروسیسر سے نکلنے والی حرارت سے کمپیوٹر میں آگ لگ سکتی ہے۔

نوٹ: ایسے تجربات سے پہلے حفاظتی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے۔

ہم روز مائیکرو پروسیسر کی حرارت کے تجربے سے گزرتے ہیں۔ جی ہاں! موبائل فون چھوٹا مگر انتہائی تیز رفتار کمپیوٹر ہے، بات کرنے کے دوران تپش محسوس ہوتی ہے۔ دراصل ہمارا دماغ پانی میں ڈوبا ہوا ہے اور اس پانی میں شفاف نادیدہ رگیں پھیلی ہوئی ہیں۔ موبائل فون پر تقریباً 15 منٹ بات کرنے سے کان گرم ہوجاتا ہے۔ وجہ پانی کا درجۂ حرارت بڑھنا ہے کیوں کہ فون کی لہریں پانی کو مائیکرو ویو اوون کی مانند ابالنا شروع کردیتی ہیں۔

طبی سائنس میں ایسے دماغ کی MRI تصاویر لی گئیں تو حرارت سے پھولی رگوں میں سوزش کے آثار نظر آئے۔ بالغ آدمی میں یہ شدت ایک تہائی (33 فی صد) جب کہ کم سن بچوں میں 70 فی صد تک ریکارڈ کی گئی ہے۔

2019ء کمپیوٹر ٹیکنالوجی میں مصنوعی ذہانت کا سال ہے۔ موبائل فون کی دنیا میں سوچ کے بہت سے زاویے بیک وقت متحرک ہیں جیسے مواصلاتی رابطہ، انٹرنیٹ کی بلاتعطل سہولت، اطلاعات کی تمام

طرزوں تک لمحوں میں رسائی۔ موبائل فون کے ذریعے تقاضے، آدمی کی مرضی کے مطابق انجام پاتے ہیں۔ آدمی جو حکم دیتا ہے، تعمیل ہوتی ہے۔ اس کے لئے اضافی صلاحیت درکار نہیں، بس سوچ کو موبائل فون کے کام سے ہم آہنگ کرنا ہے۔ اس طرح آدمی کی سوچ، انٹرنیٹ کی سوچ سے مل جاتی ہے۔ جانتے ہیں یہ کیسے ممکن ہوا؟ Qualcomm نامی کمپنی کی چپ Snapdragon 865 کے ذریعے۔

خودکار ذہانت کی خیالی دنیا میں آدمی نے ریت کے ذرّات یعنی سلیکان سے وسیع پیمانے پر کام لینا شروع کردیا ہے۔ Snapdragon 865 کی رونمائی امریکا میں 2019ء میں کی گئی۔ سائز ایک روپے کے سکّے کے مقابلے میں ایک چوتھائی بتایا جاتا ہے۔ محققین اس چپ کو آنے والے دور کا مستقبل کہتے ہیں۔ نمائش میں بتایا گیا کہ چپ میں آدمی کے دماغ کی مانند مصنوعی ذہانت کے لاتعداد پرت ہیں۔ ہر پرت مخصوص صلاحیت کا حامل ہے۔ منصوبہ بندی اور تیاری میں تقریباً تین سال لگے اور پراجیکٹ میں دو ہزار تربیت یافتہ ماہرین نے حصہ لیا۔ یعنی یہ چپ دو ہزار یکتائے روزگار افراد کی سوچ کا مظہر ہے۔ بالفاظ دیگر یہ چپ آدمی کی داخلی لامتناہیت کا مادی متناہیت میں مظاہرہ ہے۔

داخلی دنیا میں ہر مظہر مادے سے مبرّا ہے۔ آپ اسے زمانیت کا نام دے سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ ہم اسے وقت نہیں کہہ رہے۔ جس وقت سے ہم واقف ہیں وہ مکانیت میں تبدیلی کے زاویے کا ایک احساس ہے جس کی پیائش گھڑی سے کی جاتی ہے۔ مذکورہ نمائش میں چپ کی صلاحیت کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس چپ کے حامل موبائل فون سے کسی بھی زبان میں بات کی جاسکتی ہے۔ چینی اور اردو زبان بولنے والے دو افراد ایسے بات کرتے نظر آتے ہیں جیسے ہم زبان ہوں۔ لب و لہجے میں فرق معلوم نہیں ہوتا۔ یہ چپ اردو الفاظ کو، بولنے والے کے لب و لہجے میں، چینی زبان میں سناتی ہے اور چینی بولنے والے کی گفتگو اُسی کے لہجے میں اردو سامع کو سناتی ہے۔

فرد ہمیشہ دوسرے فرد سے رابطے کے لئے متجسس رہا ہے اور اس خلا کو ایجادات کے ذریعے پُر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ٹیلی فون، ریڈیو اور انٹرنیٹ پیغامات کئی دہائیوں سے روزمرہ زندگی میں معاون ہیں۔ ایک فرد کے داخل سے دوسرے فرد کے داخل میں پیغام رسانی یا خیالات پہنچانے کے لئے خارجی دنیا میں زبانیں رائج ہیں مگر زبان سے ناآشنائی رکاوٹ تھی۔ ماہرین کہتے ہیں کہ داخلی انسپائریشن کی مدد سے مذکورہ چپ کے ذریعے یہ رکاوٹ خارجی دنیا میں عبور کرلی گئی ہے۔ کیا آپ نہیں سوچتے کہ

۱۔ ابھی بھی اظہارِ بیان میں خلا ہے؟
۲۔ کیا فرد سے فرد مکمل رابطے میں ہے؟
۳۔ آدمی کے علاوہ دوسری مخلوقات کے مابین اظہار کا کیا طریقہ رائج ہے؟
۴۔ سورج، چیونٹی، شیر، درخت، اور آدمی کے مابین کون سی طرز فہم مشترک ہے؟
۵۔ دیگر مخلوقات داخلی سوچ کے اظہار کے لئے کون سے ذرائع استعمال کرتی ہیں؟
۶۔ زلزلہ اور دوسری آفات سے پہلے جانور کیوں بے چین ہو جاتے ہیں؟

سوچ کے مظاہرے کے لئے اسکرین لازمی ہے۔ ماحول میں سارے کردار اسکرین ہیں۔ بچہ، جوان، مرد، عورت، بوڑھا، بلب، پنکھا، فریج، ٹی وی، پرندے، پودے، درخت، پانی، دال، چاول، ہانڈی، پلیٹ، عمارت، اسکول، گاڑی، چاند، سورج اور زمین سب تصویریں ہیں جو دماغ کی اسکرین پر مظاہرہ کرتی ہیں۔ پیاس میں سیرابی کا تقاضا دماغ کی اسکرین پر نشر ہوتا ہے جس کی بنا پر آدمی شے میں کام کرنے والی لہریں تصور میں دیکھتا ہے۔

قابل تفکر یہ بھی ہے کہ قرآن کریم اور آسمانی کتب میں بتایا گیا ہے کہ ہر تخلیق دہری پیدا کی گئی ہے۔ اگر پیاس کا تقاضا ختم ہو جائے تو زمین میں پانی کا وجود نظر نہیں آئے گا۔

اجسام کے پس پردہ طبائع کی مختلف ساخت ہیں جنہیں صلاحیتیں کہا جاتا ہے۔ جیسے طالب علم، استاد، ریاضی دان، بڑھئی، لوہار، ڈاکٹر، انجینیئر وغیرہ۔ کسی صلاحیت کے حامل کردار کا اس وقت تک تذکرہ نہیں ہوتا جب تک اس کے آثار ذہن کی اسکرین پر نظر نہ آئیں۔ کمپیوٹر، ٹی وی یا موبائل فون کی اسکرین سامنے ہے۔ انٹرنیٹ کی خیالی یا virtual دنیا بھی اسکرین ہے۔ خارجی دنیا کے برعکس اس اسکرین پر بننے والی شبیہوں میں مادی طرز پر ٹھوس پن نہیں ہوتا۔ یہ شبیہیں صرف احساس کی مانند ہیں مگر ہم ان کی مکانیت سے متاثر ہوتے ہیں۔ ان کے تاثرات خارجی دنیا کی مکانیت کے تاثرات سے ملتے ہیں۔ دونوں دنیاؤں میں دیکھنے کے زاویے کا فرق ہے مگر شعوری تفہیم یکساں ہے۔ انٹرنیٹ کی خیالی دنیا کو خواب کے آثار و احوال سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔

کتاب ''لوح و قلم'' میں حضور قلندر بابا اولیاؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ آدمی جب سو جاتا ہے تو گوشت پوست سے بنے مادی جسم کے اوپر سکوت طاری ہو جاتا ہے لیکن اس سکوت سے ایک اور جسم جو ہو بہو مادی جسم کی تصویر ہے، ظاہر ہوتا ہے۔ یہ مثالی جسم ہر وہ کام کرتا ہے جو آدمی بیداری کی حالت میں کرتا ہے۔ حضور قلندر بابا اولیاؒ نے اس بات کو اس مثال سے بیان کیا ہے کہ سونے کی حالت میں ایک آدمی

کے دو بن جاتے ہیں۔ مادی ذرائع سے تشکیل شدہ ایک آدمی سو رہا ہے، جسم سامنے ہے لیکن اس جسم سے بالکل ہم شکل ایک اور جسم ظاہر ہوتا ہے اور وہ سب کام کرتا ہے جو بیداری میں ہوتے ہیں۔ اس کی مثال خواب کی حالت میں کھانا پینا، رحم، غصہ اور غسل واجب ہونا ہے جب کہ اس سارے عمل میں مادی جسم کا عمل دخل نظر نہیں آتا۔

کمپیوٹر کی خیالی دنیا میں بات چیت اسکرین کے ذریعے ہوتی ہے۔ ہر فرد کے پاس اسکرین اور کی بورڈ ہوتا ہے۔ یہ دنیا اتنی ترقی کر چکی ہے کہ اب خریداری کے لئے سیلز مین سے بالمشافہ ملنے، دکان یا شاپنگ سینٹر جانے کی ضرورت نہیں، Qualcomm کی نئی موبائل چپ سے سائبر کی دنیا میں خریداری ممکن ہو گئی ہے۔ مختلف شہروں میں رہنے والے دوست سائبر شاپنگ سینٹر میں اسمارٹ فون کے ذریعے داخل ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں، اشیا کے بارے میں رائے دیتے ہیں، ملبوسات اور جوتے پہن سکتے ہیں، خود کو مختلف زاویوں سے آئینے میں دیکھ سکتے ہیں، کاغذی رقم ادا کرنے کی ضرورت نہ طویل و مختصر مسافت۔ اس دوران احساسات حقیقی محسوس ہوتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ ہماری شکل و صورت سے ملتی جلتی مجازی شخصیت (avatar) یہ سارے کام انجام دے کر حقیقی ہونے کا احساس پیدا کرتی ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اگرچہ ہم شاپنگ سینٹر میں اپنے avatar جسم کے ساتھ موجود ہوتے ہیں مگر اسی شاپنگ سینٹر میں دیگر لوگ جسمانی طور پر موجود ہیں۔ وہ مادی جسم اور ہم عکس کے ذریعے خریداری کر رہے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ہم اس دنیا میں داخلے کے لئے مخصوص کمپیوٹر کے محتاج ہیں جب کہ دیگر لوگ جسمانی طور پر موجود ہیں۔ ایسی کمپیوٹر ٹیکنالوجی کو extended reality یا XR کہتے ہیں۔ یہ ٹیکنالوجی آنے والے دور یعنی موبائل فون کی دنیا میں پانچویں جنریشن کا کارنامہ ہے جس کی جھلک مضمون میں بیان کی گئی ہے۔

غور کریں ــــ محقق ایسی دنیا بنانے میں کوشاں ہیں جہاں زمان و مکان کی قید نہ ہو جب کہ ایسی دنیا ہمارے داخل میں موجود ہے۔ بتایئے وہ کون سا زاویۂ فکر ہے جو فاصلے کی قید سے آزاد کر سکتا ہے؟

خالقِ کون و مکاں کا ارشاد ہے:

''اے گروہ جن و انس! تم زمین و آسمان کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل کر دکھاؤ۔ تم نہیں نکل سکتے مگر سلطان سے۔'' (الرحمٰن: ۳۳)

(قسط: ۲)

ٹھنڈی چھاؤں

راہ چلتے نوجوان مسافر نے سن رسیدہ شخص کو ہاتھ میں کھرپی لئے بیٹھے دیکھا تو ذہن میں تجسس ہوا کہ اس کی سرگرمی دیکھی جائے۔ بوڑھے نے لرزتے ہاتھوں سے زمین کا کچھ حصہ کھودا، لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا ہوا نرسری میں آیا اور آم کا چھوٹا سا پودا اٹھالایا۔ اب کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے پودا زمین میں رکھا، مٹی برابر کی اور اسے پانی سے سیراب کیا۔ کام سرانجام دینے کے بعد بوڑھے کے جھریوں بھرے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ جیسے اس کے بوڑھے وجود میں توانائی کی لہر دوڑ گئی ہو۔

نوجوان جو کافی دیر سے بوڑھے کی سرگرمی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا، قریب آیا اور بولا،

بڑے صاحب! مزاج عالی پر گراں نہ گزرے تو ایک بات عرض کروں؟

بڑے میاں نے چندھیائی ہوئی نگاہوں سے نوجوان کو دیکھا اور کہا، جی—؟

نوجوان نے نہایت ادب سے کہا، آپ نے محنت اور توجہ سے پودا لگایا اور پودا لگانے کے بعد آپ کے چہرے پر طمانیت پھیل گئی۔ جس وقت یہ پودا تناور درخت بنے گا اور پھل دے گا تو کیا آپ دنیا میں موجود ہوں گے—؟ ایسا کام جو آپ کو نفع نہ پہنچا سکے اس میں اتنی دلچسپی کہاں تک درست ہے—؟

بوڑھے نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ نوجوان کو جواب دیا:

''مجھے معلوم ہے جب یہ پودا پھل دار درخت میں تبدیل ہوگا تو میرا مادی جسم منوں مٹی تلے دب کر خود بھی مٹی میں تبدیل ہو چکا ہوگا۔ یہ خوشی میری ذات کے لئے نہیں ہے۔ میں نے جب پودا لگا دیا تو چشم تصور سے دیکھا کہ میری اولاد اور اولاد کی اولاد اس درخت سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اس کی چھاؤں میں بیٹھ کر دھوپ کی تمازت سے محفوظ ہو رہی ہے اور اس کے شیریں پھل سے مستفید ہو رہی ہے۔ میری مسکراہٹ، میری خوشی اپنی نسل سے وابستہ ہے۔ میں نے سوچا کہ میرے اس کام سے میری اگلی نسل کو فائدہ ہو سکتا ہے۔''

بی بی انور ادھا

دریا پی کر جو پیاسا ہے

جبلِ باتور کی چوٹی پر کافی دیر قیام کے بعد اترنے کا وقت آیا۔ ہم میں سے کسی نے اوپر آ کر نیچے نہیں دیکھا تھا۔ اطمینان تھا کہ مشکل مرحلہ گزر چکا ہے، اترنا آسان ہوگا۔ کیا خبر تھی کہ اترنا چڑھنے سے زیادہ دشوار ہے۔ واپسی کے لئے چوٹی کے کنارے پر آئے تو سانس لینا بھول گئے۔

سیر و تفریح کے لئے خاندان کے ہمراہ کوہ پیمائی کا ارادہ کیا تو اندازہ نہیں تھا کہ ایسی مہم کا انتخاب کیا ہے جو ہمیں مشکل میں ڈال سکتی ہے۔

ہماری منزل انڈونیشیا کے جزیرے بالی میں جبلِ باتور تھی جو خوابیدہ آتش فشاں ہے۔ اس کی چوٹی سطحِ سمندر سے 1,717 میٹر بلند ہے۔ بتایا گیا کہ فاصلہ زیادہ سے زیادہ 90 منٹ میں طے ہوگا۔ یہ سن کر ہم نے قیاس کیا کہ سفر آسان ہے۔

بیس کیمپ سے صبح تین بجے اوپر کی جانب چلنا شروع کیا۔ طلوع آفتاب کے وقت ہمیں چوٹی پر موجود ہونا تھا۔ رات کی تاریکی میں مہم جوئی کے انوکھے تجربے پر سب پُر جوش تھے۔ کوہ پیمائی میں ناتجربہ کاری کی وجہ سے اپنے تئیں حفاظت کا انتظام کیا۔ کوہ پیمائی جیسے شوق کے لئے فٹنس درکار ہے جب کہ ہم میں سے کسی کو کھیلوں سے خاص دلچسپی نہیں اور نہ فٹنس کا جنون تھا۔

پہاڑ پر چڑھتے ہوئے 30 منٹ بعد جب سانس پھولنے لگا، پیروں پر منوں بوجھ محسوس ہوا اور مزید قدم اٹھانا مشکل ہوگیا تو اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا۔ شوق میں پروگرام تو بنالیا مگر یہ نہیں سوچا کہ پہاڑ پر چڑھنا، پہاڑ جیسا ہے اور ہماری فٹنس اس سرگرمی کے لئے صفر ہے۔ شوق میں گھر سے چل پڑے تھے لیکن پہاڑ کی طرزوں اور رویے کا پتہ نہیں تھا کہ کب کیا موڑ آسکتا ہے، آدھی رات کو پہاڑی وادی میں تاریکی اور خاموشی کیا ہوتی ہے اور کوہ پیمائی کے دوران کیا حالات پیش آسکتے ہیں۔

سب کو ٹارچ دی گئی تھی جس کی روشنی گھپ اندھیرے میں ناکافی تھی۔ صرف وہ سطح نظر آرہی تھی جہاں اگلا قدم رکھنا تھا۔

میں نے زچ ہوکر سوچا کہ جب یہ لوگ جانتے ہیں کہ ٹارچ کی ہلکی روشنی گہری سیاہی کو نہیں مٹا سکتی، نہ ہی آس پاس منظر دیکھا جاسکتا ہے، انہوں نے طاقت ور ٹارچ کا انتظام کیوں نہیں کیا؟

اوپر دیکھنے پر بل کھاتی روشن پگڈنڈی نظر آئی۔ معلوم ہوا کہ یہ ہم سے آگے چلنے والے دوسرے مہم جوؤں کی ٹارچ کی روشنی ہے مڑکر دیکھنا چاہا کہ پیچھے کیا نظر آتا ہے۔ تیز ہواؤں کی آواز کے سوا کچھ معلوم نہ ہوا۔

چڑھائی کا عمل ہمارے لئے کسی طور خوش گوار نہیں تھا۔ تیز دھار کی نوکیلی چٹانیں، پھسلتی خشک مٹی، اونچی جھاڑیاں اور بلندی نے ہمیں ہانپنے پر مجبور کردیا۔ ہر پانچ منٹ کے بعد ایسا لگتا کہ ایک گھنٹے کی مسافت طے ہوئی ہے۔ ٹانگیں کپکپانے لگیں۔ ذہن کے ساتھ جسم بھی مزید اوپر چڑھنے کے لئے ہمارا ساتھ دینے سے گریزاں تھا۔

اذیت ناک لمحات میں کلائی پر کسی کی مضبوط گرفت محسوس کی۔ اس نے ہاتھ سختی سے پکڑ کر اوپر چڑھنے میں مدد دی۔ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ مجھے باقاعدہ اوپر کھینچا— یہ ہماری جوان پہاڑی گائیڈ تھی جس کو ہماری ناتجربہ کاری اور تیاری کا اندازہ ہوگیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ بچوں اور شوہر نے جیسے تیسے خود کو سنبھالا ہوا ہے لیکن میں نے ہمت ہار دی ہے۔

غیر متوقع پہاڑی چیلنجوں کی وجہ سے پریشان دیکھ کر وہ رک گئی، ہمیں ایک جگہ بٹھایا اور بتایا—

''چڑھائی کے لئے جسم کی طاقت سے زیادہ دماغ کی طاقت درکار ہے۔ اب تک جسم کا سب سے اہم حصہ جس نے چڑھنے میں مدد دی وہ دماغ کی طاقت تھی۔ ذہن مضبوط ہو تو جسم مشکل دوراہوں سے گزر جاتا ہے۔ قوتِ ارادی سے ہر طرح کی رکاوٹ عبور ہوتی ہے۔ لہٰذا آگے بڑھنے کے لئے جن باتوں کا دھیان رکھنا ضروری ہے وہ گہرائی میں سانس لینا اور ذہنی توانائی ہے۔''

پہاڑی خاتون نے مزید کہا:

۱۔ نظر راستے پر مرکوز رکھیں تاکہ توجہ تقسیم نہ ہو۔ طریقہ یہ ہے کہ میرے قدموں کے نشان پر قدم رکھیں۔ راستہ میں طے کروں گی، آپ کو صرف قدموں کی پیروی کرنی ہے۔

۲۔ توانائی بحال رکھنے کے لئے سفر سے لطف اندوز ہوں اور تیز قدموں کے بجائے رفتار متوازن رکھیں۔ ہمیں کوئی چیمپئن شپ نہیں جیتنی۔

بقیہ راستے وہ مسلسل تحریک دیتی رہی کہ ہم پہنچنے والے ہیں، تھوڑی دیر چلنا ہے، آپ لوگوں کی رفتار اچھی ہے۔ مسلسل حوصلہ افزائی سے ہمارے اندر پھرتی آئی اور بالآخر چوٹی پر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ چہروں پر مسکراہٹ آگئی۔ وقت پر پہنچ گئے تھے۔

اوپر پہنچنے کے بعد نیچے نہیں دیکھا اور آگے بڑھ گئے۔

ہمیں ایک جگہ بٹھا کر گائیڈ تھکن کے باوجود ناشتا تیار کرنے گئی۔ دل ہی دل میں خاتون کی ہمت کو سراہا۔ ناشتا منفرد تھا — کیلے کا سینڈوچ اور ابلے ہوئے انڈے سب نے شوق سے کھائے۔

گائیڈ نے بتایا کہ اسے دمہ کا مرض ہے۔ شوہر کی آنکھ خراب ہے، کام نہیں کرسکتا۔ اس لئے وہ بچوں کی تعلیم کے لئے ملازمت کرتی ہے۔

خاموش نظروں سے اسے دیکھا۔ ہم پُرعزم اور باہمت خاتون سے ملے تھے جو اپنے بچوں کو اچھی تعلیم دینے کے لئے روز پہاڑ سر کرتی تھی۔

جبلِ باتور کی چوٹی پر روزی کمانے کے لئے کئی افراد تھے۔ پانی اور دیگر مشروبات کے علاوہ کھانے پینے کی ہلکی پھلکی چیزوں کے اسٹالوں کا انتظام تھا۔ ان کو سیاحوں سے پہلے چوٹی پر پہنچنا ہوتا تھا اس لئے سامان کے ہمراہ رات کو ایک بجے چڑھتے تھے۔

سیاحت بہت کچھ سکھاتی ہے، زندگی کے نئے نئے روپ دکھاتی ہے، ہمت و بہادری کی داستانیں سناتی ہے، عزم و استقلال کی تصویریں دکھاتی ہے اور ان لوگوں کا نشان بھی بتاتی ہے جنہوں نے سیدھے راستے کی ناقدری کی اور گرد و غبار میں گم ہوگئے۔

''کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے یا ان کے کان سننے والے ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ دل اندھے ہوجاتے ہیں۔'' (الحج: ۴۶)

کوئی رزق کمانے کوئلے کی کان میں جاتا ہے اور کوئی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتا ہے۔ بلاشبہ یہ باہمت لوگ ہیں۔ ہم ان کی مشکلات کا اندازہ نہیں کرسکتے۔

جبلِ باتور کی چوٹی پر سیاحوں کی تفریح کے لئے تربیت یافتہ کتے اور بندر بھی تھے جو سب کے ساتھ بخوشی تصویریں کھنچوا رہے تھے۔ سیاح انہیں کھانے پینے کی چیزیں دیتے اور جواب میں جانور کرتب دکھا کر محظوظ کرتے۔ آدمیوں کی آبادی میں جانوروں نے زندگی کو آسان بنانے کا راستہ تلاش کرلیا تھا۔

پہاڑی گائیڈ نے ہمیں آتش فشاں کے کنارے سے، اندر کا منظر دکھایا، جتنا نظر آسکتا تھا۔ اس نے بتایا کہ گاؤں کے لوگ آتش فشاں کو خوش کرنے کے لئے زندہ جانور اندر پھینک کر قربانی دیتے ہیں۔

یہ سن کر میں کانپ اٹھی کہ توہمات کے نام پر دنیا میں کتنے ظلم و ستم ہوچکے ہیں۔ میرا دل آتش فشانی گڑھے میں گرنے والے جانوروں کی حالت زار کے بارے میں سوچ کر تڑپ اٹھا۔

جبلِ باتور کی چوٹی پر کافی دیر قیام کے بعد اترنے کا وقت آیا۔ ہم میں سے کسی نے اوپر آکر نیچے نہیں

دیکھا تھا۔ اطمینان تھا کہ مشکل مرحلہ گزر چکا ہے، اترنا آسان ہوگا۔ کیا خبر تھی کہ اترنا چڑھنے سے زیادہ دشوار ہے۔ واپسی کے لئے چوٹی کے کنارے پر آئے تو سانس لینا بھول گئے۔ پہاڑ بالکل ترچھا، ڈھلوان نما تھا۔ نیچے اترتے ہوئے پھسلن زیادہ تھی۔ دن کی روشنی میں چوٹی سے نیچے دیکھا تو ہاتھ پیر پھول گئے۔ انکشاف ہوا کہ جس پہاڑ کو سر کر کے اوپر پہنچے تھے، وہ خطرناک ہے۔ رات کی تاریکی اور ٹارچ کی مدہم روشنی کی وجہ سے آگے پیچھے، دائیں بائیں مناظر چھپ گئے تھے ــــ صرف قدموں کی جگہ روشن تھی۔ اندھیرے کی وجہ سے ہم اوپر چڑھنے میں کامیاب ہوگئے ورنہ سفر شروع کرنے سے پہلے ارادہ بدل لیتے۔ اس طرح کم روشنی والی ٹارچ کا معمّا حل ہوا۔ منزل پر پہنچنے سے پہلے نگاہ بیدار کردی جائے تو دشوار راستے پر جان کھونے کے ڈر سے کوئی سفر نہیں کرے گا۔ مسافر راہ بدل لیں گے یا توجہ رکاوٹوں میں الجھ جائے گی۔ مختصر یہ کہ اندھیرا بھی ہمارے لئے روشنی کے قائم مقام ہوگیا۔

گائیڈ کی نظر میرے جوتوں پر پڑی۔ اس نے کہا، آپ کے جوتے کوہ پیمائی کے لئے موزوں نہیں ہیں۔ اپنے جوتے مجھے دیئے اور میرے پہن لئے۔ خلوص پر میری آنکھیں نم ہوگئیں۔ وہ بہادر اور پُر اعتماد تھی اور کیوں نہ ہوتی ــــ روز پہاڑ سر کرتی تھی۔

زمین پر حجم کے لحاظ سے پہاڑ سب سے بڑی مخلوق ہے۔ مجھے یقین تھا کہ پہاڑوں سے دوستی کرنے والی یہ مضبوط ذہن خاتون ہر رکاوٹ کو راستہ بنالیتی ہے۔ اگرچہ اس کے جوتے اوپر سے پھٹے ہوئے تھے مگر تلا اتنا مضبوط تھا کہ آتش فشاں کے لاوے سے بننے والے پتھروں پر جوتوں کی گرفت مضبوط تھی۔

میرے جوتے حالت میں بہتر مگر کوہ پیمائی کے لئے بے کار تھے۔ میری حفاظت کے پیش نظر خود کو خطرے میں ڈال کر وہ مہارت سے ایک ایک قدم رکھ رہی تھی۔ آخر کار ہم اٹھتے، بیٹھتے اور پھسلتے ہوئے بیس کیمپ تک پہنچ گئے۔

پہاڑ سے اترتے ہوئے ایک کتا نظر آیا۔ بتایا گیا کہ اس کا نام شیرو ہے۔ شیرو ہمیں دیکھ کر حیران تھا جب کہ ہم اس کی پھرتی اور بغیر کسی دشواری کے اوپر نیچے جانے پر رشک کر رہے تھے۔

بیس کیمپ پہنچ کر میں نے اپنی گائیڈ کے بے لوث جذبے، اخلاص کی حد تک معاشی فریضے سے وابستگی اور پورے سفر میں ہاتھ تھامنے پر گلے لگایا اور شکریہ ادا کیا۔ وہ نہ ہوتی، میں سفر درمیان میں چھوڑ دیتی۔ رخصت ہوتے ہوئے اس نے مجھ سے کہا، مہم کے دوران جب بچے بار بار تمہیں اماں کہہ کر پکارتے تو میرا دل نہال ہوجاتا۔ بہت پیارے بچے ہیں۔

کوہ پیمائی کا شوق پورا ہونے کے بعد گاڑی میں ہوٹل کی طرف واپس آرہے تھے۔اس دوران ٹھنڈی ہوااور بارش کی ٹپ ٹپ سے فکر کے روزن کھلے اور سفر کے تجربات کو لاشعور کی روشنی میں دیکھا۔میں نے کوہ پیمائی کے تجربے کا اپنے مرشد کی محبت سے ربط جوڑا تو ادراک کے کئی مراحل طے ہوئے۔

میری زندگی میں ان کی موجودگی پہاڑی گائیڈ کی مانند ہے۔پہاڑ پر چڑھنے اور روحانی سفر طے کرنے میں بہت مماثلت ہے۔چند گھنٹوں کی کوہ پیمائی نے 1,717 میٹر کی بلندی طے کروا کر اور اونچے نیچے ناہموار راستوں سے گزار کر جو انکشافات کیے، آپ بھی پڑھیے۔

★ پہاڑی گائیڈ نے مہم کے لئے درکار تیاری اور ضروری آلات سے غیر لیس ہم جیسے سیاحوں کو چوٹی پر پہنچانے کی ذمہ داری لی تھی۔میں نے سوچا کہ اگر روحانی استاد ہمیں قبول نہ کرے اور ہم جیسے ناتجربہ کار مسافروں کا ہاتھ نہ پکڑے تو راستہ کس طرح طے ہو اور منزل کا نشان کیسے ملے۔

★ پہاڑی گائیڈ جانتی تھی کہ میں منزل پر پہنچنے سے پہلے ہمت ہار چکی ہوں اور اترنے کے لئے جوتے ناموزوں تھے۔اس نے خود کو خطرے میں ڈال کر اپنے جوتے مجھے دیئے۔روحانی راہ نما بھی یہی کرتا ہے۔خود تکلیف میں رہ کر ہماری راہیں آسان کرتا ہے اور ہمیں سونا بنانے کے لئے اپنا سب کچھ وقف کر دیتا ہے۔

★ خاتون گائیڈ نے مجھے اوپر کی طرف کھینچا اور خطرناک پہاڑی پر چڑھنا اور اترنا سکھایا۔دوسری طرف روحانی استاد نے مجھے نفی سے گزار کر ہر طرح کے حالات میں چلنا اور پیر زمین پر رکھنا سکھایا۔جو زمین پر چلنا سیکھ لیتا ہے، اس کے لئے ہر مقام زمین بن جاتا ہے۔

★ ہمیں جان بوجھ کر ٹارچ کی مدھم روشنی میں سفر طے کروایا گیا اور منزل پر پہنچ کر خبر کی کہ دیکھو کس راستے سے گزر کر آئے ہو۔روحانی استاد سفر کے دوران ہماری نگاہ نہیں کھولتا، بس اپنے نقش قدم پر چلنے کا حکم دیتا ہے تاکہ اردگرد لوگوں کی وجہ سے اور حالات دیکھ کر توجہ تقسیم نہ ہو اور ہم ان کے قدموں کی پیروی کر کے بلاتعطل چلتے رہیں۔منزل پر پہنچ کر ہر منظر واضح ہو جاتا ہے۔

★ گائیڈ خاتون نے جس جگہ قدم رکھا، اس مقام کو ہمارے قدموں کے لئے ہموار کر دیا۔اسی طرح روحانی استاد نے تعلیمات اور عمل کے ذریعے ہمارے لئے مضبوط راہ استوار کی ہے۔

★ کوہ پیمائی کے دوران مہربان خاتون نے ہر بار ہماری خدمت کے لئے اپنی تکلیف اور تھکن کو نظر انداز کیا۔یہی طرز عمل مہربان استاد کا ہے۔وہ ہمیں آرام

پہنچانے کے لئے خود کو تکلیف میں ڈال دیتا ہے اور ایثار کی حد یہ ہے کہ اپنی تکلیف ظاہر نہیں کرتا۔

★ جب قدموں نے ہار مان لی تو پہاڑی گائیڈ نے سمجھایا کہ سفر جسم سے نہیں، ذہن کی طاقت سے طے ہوتا ہے لہٰذا پریشانی کی طرف توجہ مبذول کرنے سے بہتر ہے کہ انہیں راستے کے مناظر سمجھ کر گزر جاؤ۔ دوسری طرف روحانی استاد بار بار بتاتے ہیں کہ جو راستہ اللہ تک لے جاتا ہے، وہ محبت و مسرت کا ہے اور ارادے کی قوت سے طے ہوتا ہے۔

★ خاتون پہاڑی گائیڈ نے پہاڑ پر چڑھنے کے لئے پورے راستے ہماری حوصلہ افزائی کی۔ میرے ذہن میں اپنے روحانی استاد کا مسکراتا ہوا پُرسکون چہرہ روشن ہوگیا جو شاگردوں کو شک اور یقین میں امتیاز سکھاتے ہیں اور مایوسی کے بھنور سے نکالتے ہیں۔

ناہموار راستوں پر چلتے ہوئے
جب دل پریشان ہوتا ہے
اور ذہن ہمت ہارنے لگتا ہے
تو ایسے میں ہاتھ پر ایک مضبوط گرفت
پگڈنڈی پر قدموں کی تقلید کا حکم دے کر
جب تک منزل سامنے نہ آئے
مسلسل سرگوشی کر کے یقین دلاتی ہے کہ
روح کی جانب راہ نمائی کرنے والے
اور اللہ کی محبت دل میں جگانے والے

25 ہزار جزائر

زمین پر دریافت شدہ سب سے گہرا مقام ماریانا ٹرنچ بحرالکاہل میں واقع ہے جس کی گہرائی 10 ہزار 911 میٹر (35 ہزار 797 فٹ) بتائی جاتی ہے۔ اس سمندر کی اوسط گہرائی چار ہزار تین سو میٹر (14 ہزار فٹ) ہے۔ بحرالکاہل میں تقریباً 25 ہزار جزائر ہیں جو دنیا بھر کے سمندر میں موجود کل جزیروں کی تعداد سے زیادہ ہیں۔

نرم دل دوست کی مضبوط گرفت
زندگی کی ہر شاہراہ پر ساتھ ہے

زندگی تجربات کا نام ہے۔ ہر منظر نیا اور وہی منظر پرانا ہے البتہ اس میں تفکر سے فکر کے روزن کھلتے ہیں اور ادراک کی منازل طے ہوتی ہیں — اور یہ سب راہ نما کے بغیر ممکن نہیں۔ پہاڑ دنیا کی زندگی کی علامت ہے اور روحانی استاد باطنی علوم کا سمندر ہے جہاں سے اوپر نیچے سارے در کھلتے ہیں۔

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ اپنے نانا شہنشاہ ہفت اقلیم بابا تاج الدینؒ سے درخواست کرتے ہیں:

یہ آپ ہی کا تو نواسہ ہے
دریا پی کر جو پیاسا ہے
جلووں کا سمندر دے دیجئے
اے بادۂ حق اے جوئے علیؑ

شاہکار تصویر

فرض کیجئے کہ آپ مصور ہیں اور تصویر کشی سے متعلق تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ ایک تصویر بناتے ہیں۔ یہ تصویر آپ کی زندگی کے ماہ وسال اور شب و روز کا حاصل ہے۔ تصویر پوری ہونے کے بعد دیکھتے ہیں تو اس پر فریفتہ ہوجاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو دیکھے، تعریف کرے۔ آپ نے ایسی زندہ جاوید تصویر دیکھی ہوگی کہ گمان ہوتا ہے ابھی اپنے کاغذی پیرہن سے نکل کر ہم کلام ہوجائے گی۔

بات زیادہ پرانی نہیں۔ میں خالی ذہن تھا۔ یکسوئی اس مقام پر تھی جہاں آدمی ایک نقطے پر مرتکز ہوکر ماحول سے بے خبر ہوجاتا ہے۔ اخبار میں چار رنگوں سے چھپی ہوئی خوب صورت تصویر کے خدوخال شعور کی سیڑھیاں پھلانگ کر جب لاشعور کے کمپیوٹر میں داخل ہوئے تو خیال نے کروٹ لی۔ جیسے ہی خیال نے کروٹ بدلی، ارادہ متحرک ہوگیا اور ارادے نے دیکھا کہ کاغذ پر بنی ہوئی تصویر کے نقش ونگار، غزال آنکھیں، گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ، کتابی چہرے پر شفق رنگ، گلدستے کی طرح ناک اور سجیلا سراپا جس فرد کے ذہن سے کاغذ پر منتقل ہوا، قدرت نے اس کے اندر تخلیقی صلاحیتیں ودیعت کی ہیں۔

اس سوچ نے میرے اندر اللہ کی عطا کردہ تخلیقی صلاحیتوں کو متحرک کردیا اور تصویر کاغذ سے نکل کر سامنے آگئی۔ پھر تصویر جس طرح کاغذی بساط سے اتری تھی، اسی طرح پیروں سے چل کر کاغذ کے اندر جذب ہوگئی۔ منکشف ہوا کہ کاغذ پر تصویر، نقش ونگار، حسن، کشش، جذب، گداز اور شگفتگی سب جان دار ہیں۔ جب تخلیقی اختیارات ایک نقطے پر مرکوز ہوکر ارادہ بنتے ہیں تو ارادے میں نقش ونگار شکل وصورت اختیار کرکے جسم بن جاتے ہیں۔ مصور جب شاہکار تخلیق کرتا ہے تو دراصل یہ تصویر کشی ایک ایسے فن کار نے کی ہے جو خود تخلیق ہے۔

مصور سے کہا جائے کہ وہ تصویر کے خدوخال مسخ کردے تو اس کے لئے اس سے بڑے رنج اور تکلیف کی کوئی بات نہیں ہوگی۔ وہ کبھی اپنی شاہکار تصویر خراب نہیں ہونے دے گا اور نہ اس کا خراب

ہونا پسند کرے گا۔

اللہ احسن الخالقین ہے۔ اللہ نے ایک تصویر بنائی ہے جو خوب صورت ہے، اپنے توازن، اعتدال، مقدار، رنگ روپ، جذب و کشش اور حسن کے معیار میں منفرد ہے۔ یہ تصویر دیکھتی ہے، سنتی ہے، بولتی ہے، محسوس کرتی ہے اور دوسروں کا دکھ بانٹتی ہے۔ اگر بندہ اس تصویر کو داغ داغ کرنا چاہے اور ظلم و جہالت سے تصویر خراب کردے تو یقیناً یہ بات ناپسندیدہ ہے۔

موجودہ دور میں جس کو آسمانی علوم کے مطابق بلاشبہ عدم تحفظ، بے سکونی، انتشار اور مسائل کا تنزل یافتہ دور کہا جاسکتا ہے، ہر آدمی سونے کا ذخیرہ کرنے کے لئے اپنی حق تلفی کر رہا ہے اور اپنے جسم کو تباہ کر رہا ہے۔ جیسے جیسے ہوس زر بڑھ رہی ہے، اسی مناسبت سے سکون و راحت اور اطمینانِ قلب ختم ہو رہا ہے۔ یہ ذہنی کشاکش اور اعصابی تناؤ کا پیش خیمہ ہے جو ڈر اور خوف مسلط کر دیتا ہے۔ زندگی میں غم اور خوف کی آمیزش، آدمی (تصویر) کو بدصورت اور مسخ کر دیتی ہے۔ ہائے! یہ کیسی نادانی ہے کہ آدم زاد ہوس زر میں اللہ کی بنائی ہوئی من موہنی تصویر خراب کر رہا ہے، ضائع کر رہا ہے، تباہ کر رہا ہے۔

سونے چاندی کے سکّے اس لئے نہیں ہیں کہ یہ آدمی کو دیمک بن کر چاٹ لیں۔ سونے چاندی کے سکّوں کا مصرف یہ ہے کہ آدمی ان سے استفادہ کر کے اللہ کی بنائی ہوئی تصویر (مخلوق) کے لئے زیب و زینت کا سامان مہیا کرے۔ لیکن موجودہ دور کا المیہ یہ ہے کہ آدمی ثابت کرنے پر بضد ہے کہ سونے چاندی کے سکّے آدمی کے لئے نہیں بلکہ آدمی سونے چاندی کے سکّوں کی بھینٹ چڑھنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ یہی وہ طرز فکر ہے جس کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذاب علیم کی خبر سنادو۔'' (التوبۃ:۳۴)

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ آدمی سینکڑوں سال زندہ رہ کر دنیا کی رنگینی میں اپنا کردار ادا کرے ــــ اور آدمی کام، کام، صبح کام، شام کام اور ہائے دنیا، ہائے دنیا کے ختم نہ ہونے کے چکر میں خود اپنے ارادے اور اختیار سے زندگی کو داغ داغ کر رہا ہے۔ جب کہ آدم اور حوّا کی اولاد یہ جانتی ہے کہ زندگی کو ایندھن بنا کر جمع کی جانے والی ساری پونجی ایک دن موت ہم سے چھین لے گی۔

ہم نہیں سوچتے کہ جب ہم پیدا ہوئے ایک دھجی جسم پر نہیں تھی۔ اور اس بات پر بھی غور نہیں کرتے کہ جب دنیا سے جاتے ہیں تو ایک پیسا ساتھ نہیں لے جاتے۔

نادیہ افتخار

حضور پاکؐ کا ارشادِ گرامی

حضرت عبداللہ ابن عامرؓ بیان کرتے ہیں ــــ ''والدہ نے مجھے آواز دی، یہاں آؤ! میں تمہیں ایک چیز دوں گی۔ یہ بات حضور پاکؐ نے سن لی اور پوچھا، بچے کو کیا دینا چاہتی ہو؟ عرض کیا، کھجور دینا چاہتی ہوں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا ــــ اگر تم بچے کو چیز دینے کا بہانہ کر کے بلاتیں اور کچھ نہ دیتیں تو تمہارے اعمال نامے میں جھوٹ لکھ دیا جاتا۔''

امتحان کا نتیجہ آیا ــــ محنت کے باوجود نمبر خواہش کے مطابق نہیں تھے۔ کچھ دیر افسردہ رہا پھر انجانی امید کے تحت خود کو حوصلہ دیا کہ اگرچہ نمبر حسب منشا نہیں مگر اچھے ہیں۔ ناشکری نہیں کرنی چاہئے۔

مایوسی کا خیال ٹوٹا اور اندر میں سکون کی لہر محسوس ہوئی۔ وہ کمرے سے باہر آیا اور خوشی خوشی سب کو نتیجے کی خبر دی۔

ماں نے کہا، کیا! اتنے کم نمبر کیسے آ گئے؟ کسی بڑے کالج میں داخلہ نہیں ملے گا۔ ہم نے اچھے اسکول میں پڑھایا، ٹیوشن کا خرچہ الگ اور نتیجہ یہ نکلا۔ سبرینا کی بیٹی نے تم سے زیادہ نمبر لئے ہیں۔

باپ نے کہا، ہر وقت موبائل فون لے کر بیٹھو گے تو یہی ہوگا۔ سب تمہاری ماں کا قصور ہے۔ اسے ٹی وی دیکھنے سے فرصت نہیں۔ سارا دن تم لوگوں کے لئے محنت کرتا ہوں اور تم محنت پر پانی پھیر دیتے ہو۔

امی ابو سے جو باتیں سننا رہ گئی تھیں، کمی بہن بھائیوں نے پوری کر دی۔ سب نے احساس دلایا کہ وہ کامیابی کے باوجود ناکام ہوا ہے۔

بچہ پورے سال محنت کر کے اچھے یا امید افزا نمبروں سے کامیاب ہوتا ہے تو خواہش ہوتی ہے کہ گھر والے مبارک باد دیں، حوصلہ افزائی کریں اور گھر میں خوشی کا اہتمام ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ایسا نہیں ہوا ــــ گھر میں غم و غصے کا سماں تھا۔

سر بھاری ہو گیا۔ دعا کی کہ کاش یہ سب خواب ہو اور نیند سے جاگنے پر معلوم ہو کہ اس کے نمبر شاندار اور سبرینا آنٹی کی بیٹی سے زیادہ ہیں۔ گھنٹوں سوچ کے تانے بانے بنتا رہا۔ ذہن تھکنے پر خیالی دنیا سے باہر آیا اور مایوسی نے گھیر لیا۔

یہ زندگی میں کچھ نہیں کرسکتا۔ والد کا جملہ یاد آنے پر سر مزید بھاری ہوگیا اور دماغ نے غنودگی کی چادر اوڑھ لی۔ نیند نعمت ہے ورنہ آدمی منتشر خیالات میں پھنس کر اپنے ساتھ نجانے کیا کر بیٹھے۔

کئی دنوں تک ماں باپ اور عزیز و اقارب سے مایوس کن جملے سنے۔ سب کو شکایت تھی کہ بہت اچھے نمبر کیوں نہیں آئے۔ بولنے والوں کو احساس نہیں ہوا کہ الفاظ تلخی گھول رہے ہیں۔ ایسے رویے بچوں کو بے حس یا ضرورت سے زیادہ حساس بنا دیتے ہیں۔

اسے بالواسطہ ذہن نشین کروایا گیا کہ کام یابی دوسروں سے آگے بڑھنے کا نام ہے۔ ابو کے دوست کی سفارش پر معروف کالج میں داخلہ ملا۔ بڑا کالج— بڑا نام! اچھے کالج میں داخلہ مل سکتا تھا مگر ماں باپ معاشرے میں مقام کی وجہ سے اسے معروف کالج میں پڑھانا چاہتے تھے۔ یہاں بھی عزت نفس کو ٹھیس پہنچی۔ عہد کیا کہ وہ ہر امتحان میں سبرینا آنٹی کی بیٹی سے زیادہ نمبر لے گا اور سب کو پیچھے چھوڑ دے گا۔

معاشرتی تانے بانے کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ لوگ مسابقت* کی وجہ سے خوشی پر خوش نہیں، ہمیشہ خود سے اوپر دیکھتے ہیں۔ بعض لوگوں کو دوسروں کی ناخوشی زیادہ مسرور کرتی ہے۔ یہ طرز فکر گھر سے شروع ہوتی ہے، اسکول میں پروان چڑھتی ہے اور دفتر پہنچنے تک پختہ ہوجاتی ہے۔ گھر کا قصہ آپ نے پڑھا۔ اسکول میں مثال اول، دوم اور سوم پوزیشن ہے اور نوکری بھی تعلیمی نتائج کی بنیاد پر ملتی ہے۔

میری دوست کا قصہ ہے جب وہ اسکول میں تھی تو اول آنے کے لئے سخت محنت کے باوجود امتحان میں مسلسل تیسری پوزیشن آتی۔ کلاس ٹیچر نے ہمیشہ اول آنے والی لڑکی کو سراہا اور نصابی و غیر نصابی سرگرمیوں میں فوقیت دے کر کئی مرتبہ دوسرے بچوں کی حق تلفی کی۔ اسکاؤٹس کے مقابلے میں کئی بچوں نے زیادہ محنت کی لیکن ٹیچر نے انعام کے لئے صرف اول آنے والی لڑکی کا نام لکھوایا۔ باقی بچوں نے خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ انہوں نے اپنے رویے سے دیگر طلبا و طالبات کو باور کروایا کہ اس سے اچھا بچہ کلاس میں نہیں۔

40 بچوں کی کلاس میں ایک بچہ اول آئے تو باقی بچے صلاحیت میں کم ہیں—؟ ایک کو اول قرار دے کر باقی کو کم مائیگی کا احساس دلایا گیا۔

اماں ابا کو خوش کرنے کے لئے امتحان میں اچھے نمبر لانا ہر بچے کی پریشانی ہے۔ لگتا ہے کہ آج کے ماں باپ اولاد سے اچھے اخلاق، نماز کی پابندی اور سچ گوئی نہیں چاہتے— صرف دنیاوی کام یابی اور

---

* مسابقت (competition)

ختم نہ ہونے والے مقابلے کی دوڑ میں اول پوزیشن چاہتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ بچے سیکھنے سے زیادہ نمبر لینے کی جدوجہد میں ہیں اور اس جدوجہد نے انہیں عدم تحفظ میں مبتلا کر دیا ہے۔

سرور کونین حضرت محمدؐ کی سیرت طیبہ زندگی کا بہترین ضابطہ ہے۔ اس میں احسن تربیت کی مثالیں موجود ہیں۔ آپؐ نے بحیثیت والد اپنی اولاد کی تربیت اللہ کی امانت سمجھ کر کی۔

نبی پاکؐ کا ارشاد گرامی ہے:

''باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دے سکتا ہے اس میں سب سے بہتر عطیہ اولاد کی اچھی تعلیم و تربیت ہے۔''

والدین نے مسابقت کے چکر میں تربیت اور تعلیم کا مقصد نظر انداز کر دیا ہے۔ نتیجہ سامنے ہے — بچوں کے پاس علم ہے نہ کردار — صرف کتابی باتیں ہیں۔ آخر میں کم زور اخلاقیات کا بچہ مسابقت کے زور پر کوئی عہدہ حاصل کر لیتا ہے اور والدین اس کو اپنی کام یابی سمجھ کر خوش ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ والدین کو کورے کاغذ کی مانند پاک ذہن بچہ عطا کرتا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے امانت ہے۔ کاغذ پر لکھی جانے والی تحریر ماں باپ کے ذہن کی تصویر ہے۔ اللہ کی طرف سے دی گئی امانت میں خیانت کے مرتکب والدین سخت نقصان میں ہیں جب کہ امانت کی حفاظت کرنے والوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں پھل ملتا ہے۔

رحمٰن و رحیم اللہ فرماتے ہیں،

''وہ لوگ گھاٹے میں ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو جہالت اور نادانی میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔''

(الانعام: ۱۴۰)

موت کے گھاٹ اتارنے سے مراد یہ بھی ہے کہ والدین بچوں کی صحیح تربیت نہیں کرتے۔ جن بچوں کی تربیت نہیں ہوتی، وہ تباہی کے راستے پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ قیامت کے روز والدین سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ تم نے اپنی اولاد کو کیا کھلایا ہے، کیا پلایا ہے اور کیسا لباس پہنایا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ والدین کے رزق کے ساتھ ساتھ اولاد کا رزق بھی عطا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ پوچھیں گے کہ تم نے اولاد کی تربیت کیسی کی۔''

تربیت کردار سازی کے لئے کیمیا ہے۔ اس میں درج ذیل امور کا خیال رکھنا چاہئے:

''بار بار ڈانٹنے، جھڑکنے اور برا کہنے سے گریز کریں۔ شرارتوں اور کوتاہیوں پر بیزار ہونے اور نفرت کا اظہار کرنے کے بجائے محبت سے سمجھائیں کہ بچے اچھی باتیں اختیار کریں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ والدین اپنی اولاد سے جو کچھ چاہتے ہیں وہ تمام

صفات والدین کے اندر موجود ہوں۔ جب بیوی شوہر کے ساتھ خوش رہے گی اور اس کی اطاعت و فرماں برداری کرے گی تو بچے خود بخود فرماں بردار بن جائیں گے۔ اور جب شوہر بیوی کے جذبات و احساسات کا خیال کرے گا اور اس کی غلطیوں کو نظر انداز کرے گا، اس کے اندر عفو و درگزر کا جذبہ ہوگا تو یقیناً اولاد بھی سعادت مند ہوگی۔ اس کے اندر معافی کی صفت پیدا ہو جائے گی۔''

محترم عظیمی صاحب بتاتے ہیں کہ لندن سے ایک خاتون ملنے آئیں۔ بچہ ماں کے ساتھ تھا۔ بچے نے کہا کہ مما two faced ۔ میں نے پوچھا، کیسے؟ بچے نے کہا — آنٹی کی برائی کرتا ہے۔ آنٹی گھر آتا ہے تو چائے پلاتا ہے۔

والدین کا کردار و گفتار بچے کے ذہن میں نقش ہو جاتے ہیں۔ سچ گو ماں باپ کے بچے سچ بولتے ہیں۔ دھیمے لہجے والوں کے بچوں کی آواز دھیمی ہوتی ہے۔ نمازی والدین کے بچے نمازی ہوتے ہیں جب کہ جھوٹ بولنے، غیبت کرنے اور نقصان پہنچانے والے ماں باپ کی اولاد منفی عادتیں اپناتی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عامرؓ بیان کرتے ہیں:

''والدہ نے مجھے آواز دی، یہاں آؤ! میں تمہیں ایک چیز دوں گی۔ یہ بات حضور پاکؐ نے سن لی اور پوچھا، بچے کو کیا دینا چاہتی ہو؟ عرض کیا، کھجور دینا چاہتی ہوں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا — اگر تم بچے کو چیز دینے کا بہانہ کر کے بلاتیں اور کچھ نہ دیتیں تو تمہارے اعمال نامے میں جھوٹ لکھ دیا جاتا۔''

دین میں جھوٹ کی گنجائش نہیں جب کہ معاشرے میں جھوٹ کا جال بچھا ہوا ہے۔

تربیت کے کئی پہلو ہیں مگر مسابقت غالب ہونے سے ہر شے پس پردہ چلی گئی ہے۔ اس روش نے بچوں کے دل سے علم کی محبت ختم کر دی ہے۔ احترام اور بھائی چارے کی جگہ کینہ اور عداوت نے لے لی ہے۔ تحقیق سے ثابت ہے کہ امتحانات کے دوران بچہ انتہائی ذہنی دباؤ کا شکار ہوتا ہے۔ پورا سال پڑھنے کے باوجود امتحان کا خوف ہوتا ہے۔ یہ خوف کامیابی کا وہ پیمانہ ہے جو ماں باپ سے منتقل ہوتا ہے۔ توقعات پوری نہ ہونے پر تضحیک کی جاتی ہے۔ نتیجہ مایوسی، چڑچڑا پن، بد لحاظی، ذہنی تناؤ، منفی رجحانات اور بداخلاقی کی صورت میں نکلتا ہے۔

مضمون لکھنے کے دوران معلومات کی غرض سے میٹرک اور ایف ایس سی کے چند طلبا سے گفتگو کی۔ اکثریت نے مضامین کا انتخاب والدین کی مرضی سے کیا تھا۔ ان کے لہجے میں مایوسی اور زندگی سے بیزاری تھی۔ کامیاب ہونے کے باوجود اچھے نمبر حاصل نہ کرنے پر والدین خوش نہیں تھے۔

ایک طالب علم کو والد نے سزا بھی دی۔

تخلیقی صلاحیت کی راہ میں بڑی رکاوٹ مسابقت ہے۔ مسابقت کرنے والا فرد مشین بن جاتا ہے اور صلاحیتوں پر پردہ آجاتا ہے۔ مسابقت کی فضا آدمی سے آدمی کے درمیان ہے۔ کامیابی کی دوڑ میں آپ درجنوں افراد کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ ان کا کیا ہوگا۔ وہ کس اذیت سے گزر رہے ہیں۔ یہ مذہب اور اخلاقیات کے منافی ہے۔ کامیابی کا خودساختہ پیمانہ تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

اسلام میں تقویٰ ایسا عمل ہے جس میں مسابقت کی اجازت ہے۔ باری تعالیٰ کا فرمان ہے،

''اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔'' (الحجرٰت:۱۳)

قرآن کریم میں تقویٰ کی تعریف ہے کہ وہ لوگ جن میں شک نہیں ہوتا، وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں، صلوٰۃ قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، انبیائے کرام اور الہامی کتب پر ایمان لاتے ہیں۔

متقی وہ ہے جو اللہ کے بنائے ہوئے نظام پر عمل کرتا ہے، وہ نظام جو پیغمبروں نے بتایا ہے۔

نمود و نمائش کے بجائے اخلاق حسنہ میں اعلیٰ ہونے میں مسابقت کریں۔ پیسے کمانا، حسین بننا، قیمتی اشیا استعمال کرنے کو بڑائی سمجھنا، ذہنی پستی ہے۔ اسفل سافلین کی سطح پر مسابقت انا اور تکبر پیدا کرتی ہیں جو احسن تقویم انسان کی خصوصیات ہرگز نہیں۔

اشفاق احمد صاحب کا واقعہ پڑھا۔ وہ کہتے ہیں:

''میرا گھرانا پڑھا لکھا ہے۔ قریبی عزیز نے اپنی بہن سے پوچھا کہ آپا! تیرے منڈے کے کتنے نمبر آئے ہیں؟ بچہ وہیں کھیل رہا تھا۔ بہن نے کہا، 680۔ کہنے لگا لو آپا! یہ بھی کوئی نمبر ہیں۔ نمبر تو میرے لڑکے نے لئے ہیں۔ میں نے بات غور سے سنی اور محسوس کیا کہ یہ کس خوف ناک بیماری کا انجیکشن لگا رہا ہے۔ سمجھایا کہ وہ انسان ہے، تیری سگی بہن ہے۔ اس کا دل ہے، اس کا بھی گھر ہے، اس کا بھی بچہ ہے۔ جیسے تجھے اپنا بچہ عزیز ہے، اسے بھی عزیز ہے۔ وہ نہیں مانا اور بولا، اگر کوئی کم زور ہے تو اسے بتانا چاہئے۔ اللہ کا فضل ہے کہ میں روز کم از کم پانچ ہزار روپے کماتا ہوں۔ وہ اپنی بات کئے جا رہا تھا اور وہ اس طرز عمل میں اکیلا نہیں۔ گھر میں اور اردگرد کئی لوگ ہیں جو خوف زدہ اور شرمندہ کرنے کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کرتے ہیں۔''

ہر بچہ دینِ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ ماں باپ فطرت کے مطابق یا فطرت کے خلاف تربیت کرتے ہیں۔ معاشرے کی فرسودہ طرزیں ایک طرف بچوں کو اچھا انسان بننے سے روکتی ہیں، دوسری طرف تخلیقی صلاحیتوں کا گلا گھونٹ دیتی ہیں۔ اس لئے اب یہاں الخوارزمی، البیرونی، ابن سینا، ابن الہیثم، جابر بن حیان اور علامہ اقبالؒ پیدا نہیں ہوتے۔

نیّر اعظم

حافظہ ساتھ نہ دے تو ــــ؟

یادداشت کی اسپیس میں ارادے سے ہمیشہ ایسی حرکت نہیں ہوتی جس سے کہ سب تحریریں سامنے آجائیں۔ اکثر اوقات گہرائی میں جب یادداشت کی اسپیس حرکت کرتی ہے تو اسے طاقت ور محرک کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر طاقت ور محرک نہ ملے تو یادداشت کی اسپیس حرکت نہیں کرسکتی۔

کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپ مسکراتے ہوئے کچھ کہنا چاہتے ہیں لیکن لفظ غائب ہوجاتے ہیں؟ کہیں آپ بھی اس مسئلے کا شکار تو نہیں جس کے متعلق کسی نے کہا ہے کہ مجھے ہر بات کا جواب اس وقت یاد آتا ہے جب بات ختم ہوجاتی ہے؟

اگرچہ اس سلسلے میں شیخ سعدی کا ایک مقولہ ہے کہ لڑائی کے بعد جو مکا یاد آئے اسے اپنے منہ پہ مارو، لیکن اس پہلو پر پھر بات ہوگی۔ فی الحال جاننا یہ ہے کہ موقع پر الفاظ یاد کیوں نہیں آتے اور جو یاد ہیں وہ ذہن سے کیوں نکل جاتے ہیں؟

اکثر گفتگو کے دوران محویت بڑھنے سے بعض الفاظ یاد نہیں آتے۔ جتنا دہرانے کی کوشش کریں، دماغ کے لئے انہیں ڈھونڈنا مشکل ہوجاتا ہے۔ الفاظ بھولنے سے گفتگو میں روانی متاثر ہونے کے ساتھ سننے والے بھی بیزار ہوجاتے ہیں۔ ماہرین نے اس حالت کو Lethologica کی اصطلاح دی ہے یعنی دوران گفتگو مخصوص الفاظ یاد نہ آنا۔

میں کئی مرتبہ بھولنے کے تجربے سے گزرا ہوں۔ ایک بار کلاس میں تقریر کی مشق کے دوران اعتماد سے خیالات کا اظہار کررہا تھا۔ پانچ منٹ گزرنے کے بعد بھی تقریر میں روانی کا یہ عالم تھا کہ اگلے پانچ منٹ آرام سے تقریر کرسکتا تھا۔ اچانک ذہن خالی ہوا اور زبان رک گئی۔ ساتھی طلبا محویت سے تقریر سن رہے تھے اور مجھے اعتماد سے تقریر کرتا دیکھ کر استاد کے چہرے پر مسکراہٹ تھی مگر میرے یکا یک رکنے پر سب چونک گئے۔ میں نے کہا، بس! اور شکریہ ادا کرکے اپنی نشست پر آگیا۔ حیران تھا کہ چند سیکنڈ پہلے تک ذہن میں معلومات کا ذخیرہ کھلا ہوا تھا۔ ایسا کیا ہوا کہ لمحوں میں یادداشت سے ربط منقطع ہوگیا ــــ؟

وہ الفاظ یا نام جن کا استعمال کم کیا جاتا ہے انہیں ہم زیادہ بھولتے ہیں۔ مصروفیت کی وجہ سے بات چیت کم ہوجائے تو بھی موقع محل کی مناسبت سے اکثر الفاظ بھول کے خانے میں چلے جاتے ہیں۔

افسر، دوست یا اہم شخصیت کے سامنے کچھ بیان کرنا ہو تو ہر لفظ اہمیت رکھتا ہے۔ اس موقع کے لئے کتنی کوشش کیوں نہ ہو، اگر حافظہ ساتھ نہ دے تو زبان گنگ ہوجاتی ہے اور مقابل سمجھتا ہے کہ ہمارے اندر قابلیت نہیں، ہم عدم اعتماد کا شکار یا غیر سنجیدہ ہیں۔ اسی طرح اہم مواقع پر زبان پھسلے یا وہ لفظ ادا ہو جس سے بات کچھ سے کچھ ہوجائے اور بات سنبھالنے کے لئے الفاظ ساتھ نہ دیں تو موافق صورت ناموافق ہوجاتی ہے۔

الفاظ کی بہت اہمیت ہے۔ صحیح الفاظ کا استعمال غصے سے بھرے ہوئے شخص کو ٹھنڈا کرسکتا ہے اور غلط لفظ ٹھنڈے مزاج شخص کو سیخ پا کردیتا ہے۔ سرکاری اداروں کے اعلامیے پڑھیں، سادہ جملوں میں گہرے مفہوم بیان ہوتے ہیں۔ عام لوگ اس زبان کو نہیں سمجھتے، متعلقہ افراد سمجھ جاتے ہیں۔

بھولنے کا معاملہ اساتذہ کرام کو بھی درپیش ہوتا ہے۔ لیکچر کے دوران ذہن سے کوئی اصطلاح، خاص جملہ یا مثال غائب ہوجاتی ہے۔ بعض دفعہ بھولا ہوا لفظ ہفتے یا مہینے بعد یاد آتا ہے۔

انگریزی میں محاورہ 'ٹپ آف دی ٹنگ' ایسے حالات میں استعمال ہوتا ہے جب لفظ زبان پر ہو لیکن ذہن میں نہ آئے۔ ایسے میں یادداشت مطلوبہ لفظ کے بجائے ملتا جلتا لفظ واپس کرتی ہے۔ متبادل لفظ، ایک لحاظ سے مطلوب لفظ کو ذہن میں آنے سے روک دیتا ہے اور اصل لفظ یاد کرنے پر متبادل لفظ ہی ذہن میں گردش کرتا ہے۔ متبادل الفاظ کے مؤثر ہونے کی وجہ مطلوب لفظ سے صوتی مشابہت ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ اس معاملے میں یادداشت کو الزام مت دیں کیوں کہ یہ دماغ کے کام کرنے کے طریقِ کار میں سے ہے۔

نفسیات کی رُو سے یادداشت کے تین حصے ہیں۔

۱۔ سیکھنے کا عمل

۲۔ جو سیکھا ہے اسے حافظے میں محفوظ کرنا

۳۔ ضرورت پر لفظ یا دداشت کو واپس کرنا

لفظ سن کر سمجھنے کی کوشش کرنا، سیکھنا ہے۔ سیکھنے سے معنی ذہن میں محفوظ ہوجاتے ہیں جسے ضرورت کے وقت واپس کرنا یادداشت کی ذمہ داری ہے۔ مثال کے طور پر دریچہ ایک لفظ ہے۔ میں نے جملہ لکھا، 'تفکر سے ذہن کے دریچے کھلے۔' جملے کو دہرانے کے بعد تحریر میں تنوع کے لئے متبادل لفظ تلاش کیا۔

لغت سے لفظ 'روزن' ملا جسے حافظے نے محفوظ

کرلیا۔اب یادداشت کی ذمہ داری ہے کہ ضرورت پڑنے پر اس لفظ کو لوٹائے۔

حافظے کی کم زوری کیا ہے ــــ؟

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ فرماتے ہیں،

''آسمانی رنگ جو فی الواقع ایک برقی رَو ہے، دماغی خلیوں میں آنے کے بعد اسپیس بن جاتا ہے۔ دماغی خلیوں سے اور ان کی برقی رَو سے تمام اعصاب کا تعلق ہے۔تمام اعصاب پر اس کا اثر پڑتا ہے۔بعض اوقات صرف چند ہزار خلیے رَو کے تصرف سے بالکل خالی ہوجاتے ہیں یا ان میں رَو کا تصرف قطعی نہیں رہتا۔رَو کا تصرف نہ ہونے سے یہ منشا نہیں ہے کہ رَو نہیں رہتی بلکہ رَو میں ترتیب نہیں رہتی یہاں تک کہ وہ بالکل بے قاعدہ ہوجاتی ہے۔ اب چند ہزار خلیوں کے بے ترتیب ہونے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی ایک بات کا تعلق دوسری بات سے قائم نہیں رکھ سکتا۔کبھی کبھی اس پر شرمندگی ہوتی ہے۔ایسا ناممکن ہے کہ ہر شخص کے ساتھ اس قسم کے واقعات پیش نہ آتے ہوں۔یہ کوئی بیماری نہیں ہے مگر بار بار ایسا ہونے سے بیماری پیدا ہوجاتی ہے، اس کو حافظے کی زیادہ کم زوری کا نام دیا جاتا ہے۔''

دماغ کمپیوٹر کی طرح ہے لیکن ہر فرد کے لئے ہر وقت کمپیوٹر کی طرح کام نہیں کرتا کہ بٹن دبائیں اور مطلوب معلومات اسکرین پر روشن ہوجائیں۔دماغ رابطے یا ایسوسی ایشن کے میکانزم پر کام کرتا ہے۔ لفظ سے جتنا ربط یا ایسوسی ایشن ہوتی ہے، دماغ کے لئے اسے واپس کرنا آسان ہوتا ہے۔جتنا دہراتے ہیں،نقوش گہرے ہوجاتے ہیں۔

الفاظ یاد نہ آنے کی وجوہات میں ذہن پر دباؤ، بات کے دوران توجہ بٹنا یا کئی کاموں میں بیک وقت مصروف ہونے کی وجہ سے ذہن یکسو نہ ہونا شامل ہے۔اس مسئلے پر قابو پانے کے لئے چھوٹے جملے استعمال کرنے چاہئیں۔یہ بولنے میں آسان اور سننے میں سہل ہوتے ہیں۔

ہر زبان کی انفرادیت ہے۔الفاظ جس ترتیب سے ذہن میں آتے ہیں،اس میں ارادے کا عمل دخل نہیں ہے۔بندہ سوچ کر بولنا شروع کرے تو جملے ادا کرنا مشکل ہوجائے گا۔اصول ہے کہ ذہن جتنا آزاد ہوتا ہے، لاشعور کو قبول کرنے کی صلاحیت بڑھتی ہے اور گفتگو رواں ہوجاتی ہے۔غلطی سے بچنے کی پریشانی خوف بن کر معیاری گفتگو کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔ علم ہونا چاہئے کہ غلطیاں سب کرتے ہیں۔تاکہ غلطی کرنے کا خوف ہمیں گرفت میں نہ لے۔بول چال میں دھیان اس بات پر ہو کہ مخاطب کو بات سمجھ میں آجائے تو گفتگو معیاری اور پُراثر ہوجاتی ہے۔

بھولنے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ذہن سنتا ہے لیکن غور نہیں کرتا نہ اہمیت دیتا ہے ــــ لفظ بھول کے

خانے میں چلا جاتا ہے لہٰذا بات غور سے سنیں۔

یادداشت بھی اسپیس ہے۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

''یادداشت خود ایک الگ اسپیس ہے جس میں خوف اور امید کے اندر مستقبل میں ہونے والی سب اشیا تحریر ہوتی ہے۔ مگر سب چیزیں یادداشت واپس نہیں کرتی۔ کبھی کبھار اچانک کوئی چیز یاد آجاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوشش کے باوجود کچھ یاد نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یادداشت کی اسپیس میں ارادے سے ہمیشہ ایسی حرکت نہیں ہوتی جس سے کہ سب تحریریں سامنے آجائیں۔ اکثر اوقات گہرائی میں جب یادداشت کی اسپیس حرکت کرتی ہے تو اسے طاقت ور محرک کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر طاقت ور محرک نہ ملے تو یادداشت کی اسپیس حرکت نہیں کرسکتی۔ نتیجتاً یادداشت وہ تحریر یا ریکارڈ واپس نہیں کرتی جو موجود ہے۔''

نفسیات اور یادداشت پر کام کرنے والے ماہرین نے حافظے کو بہتر بنانے کی مشقیں تجویز کی ہیں۔

۱۔ ڈائری لکھیں۔ ڈائری لکھنے والوں کا حافظہ تیز ہوتا ہے۔ سودا سلف لینے جارہے ہیں تو فہرست جیب میں رکھ لیں اور چیزیں یادداشت سے خریدیں۔ خریداری کے بعد فہرست دیکھیں۔ کچھ روز میں یادداشت اور فہرست میں فرق ختم ہوجاتا ہے۔

۲۔ کیلکولیٹر یا کاغذ قلم کے بجائے دماغ میں حساب کرنے سے ذہنی کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے۔

۳۔ نئی چیزیں سیکھیں جیسے کھانے کی ترکیبیں۔ اس سے ذہن تیز ہوتا ہے۔ نئی زبان سیکھنا دماغ کے ان خانوں کو حرکت دیتا ہے جو یادداشت محفوظ رہنے کے لئے دماغ میں ذخیرہ ہیں۔

۴۔ ورزش سے خلیات چارج ہوتے ہیں اور حافظہ تیز ہوتا ہے۔ چہل قدمی ورزش میں شامل ہے۔

۵۔ دماغ کو آرام کی ضرورت ہے۔ آرام فراہم کرنے کا بہترین طریقہ پُرسکون نیند ہے۔

ان مشقوں سے یادداشت بہتر ہونے کے ساتھ وسوسے کم ہوتے ہیں اور یکسوئی میں اضافہ ہوتا ہے۔

علمائے باطن حافظہ تیز کرنے کے لئے نیلی روشنی کو مفید بتاتے ہیں۔ یہ دماغی کارکردگی میں اضافے کے لئے حیرت انگیز اثرات کی حامل ہے۔

''علی الصبح ضروریات سے فارغ ہوکر شمال رخ بیٹھ جائیں۔ آنکھیں بند کرکے تصور کریں کہ آسمان سے نیلے رنگ کی روشنیاں بارش کی طرح آپ کے اوپر برس رہی ہیں۔ یہ مراقبہ 15 سے 20 منٹ کریں۔ رات کو سونے سے پہلے بھی 10 سے 15 منٹ یہ مراقبہ کیا جائے۔ چند ہفتوں میں نتائج آنا شروع ہوجائیں گے۔ نیلی روشنی دماغی کارکردگی بڑھانے میں مددگار ہے۔''

شازیہ رشید

اماں مریمؒ

علمِ قیافہ کا ماہر ایک شخص ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر سوچ میں ڈوب گیا۔ پوچھا، کیا ہوا—؟ اس نے کہا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو درویشی کا جو مرتبہ حاصل ہے، میرے فہم وادراک سے باہر ہے۔

غلام محی الدین ملازمت کے سلسلے میں بہن کے ہمراہ کامٹی میں مقیم تھے۔ کسی بزرگ کی آمد کی خبر ہوئی تو بھائی بہن خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی، حضرت! کیا ہی اچھا ہو کہ چند دن غریب خانے کو رونق بخشیں اور ہمیں میزبانی کا شرف ملے۔

بزرگ نے درخواست قبول فرمائی۔ بہن کے سر پر دست شفقت رکھا اور دعا دی۔ جب گھر کے باقی لوگ کامٹی آئے اور بزرگ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بچوں کی والدہ سے فرمایا،

''بی بی! اللہ تعالیٰ نے تمہیں دو لعل عطا کئے ہیں، یہ ان میں سے ایک ہے۔''

اشارہ اس بیٹی کی طرف تھا جو بھائی کے ساتھ کامٹی میں رہتی تھی۔ پھر بیٹی سے مخاطب ہوئے۔

''آفتاب ولایت ناگپور کے افق سے ضیا پاشی کر رہا ہے، جاؤ اور روح کو آفتاب ولایت سے منور کرلو۔ ناگپور کا پاگل خانہ اس وقت شہنشاہ ہفت اقلیم بابا تاج الدینؒ ناگپوری کا پایہ تخت ہے۔ ان کی خدمت میں جاؤ— مشیت نے تمہاری قسمت میں ان کا فیض لکھا ہے۔''

اللہ نے عزیز الدین اور عائشہ بی بی کو تین بیٹوں اور دو بیٹیوں سے نوازا تھا، ان میں ایک مریم بی صاحبہؒ تھیں۔ ہندوستان کے ضلع اکولہ کے قصبے جلیشور میں پیدا ہوئیں۔ روحانی بزرگوں کی محفل میں حاضر ہونا اور ان کی خدمت کرنا اس خاندان کا طریق تھا۔

ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ ماں باپ کی طرز فکر رحمانی ہے تو بچے کے اندر کائناتی شعور کی نشوونما ہوتی ہے۔ بصورت دیگر اسفل سافلین کا شعور منتقل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو محفوظ رکھے، آمین۔

گھر کے روحانی ماحول میں مریم بی صاحبہؒ کی طبیعت کو جلا ملی — قدرت نے ان کے لئے راہِ طریقت کا در کھولا اور وہ ناگپور روانہ ہوئیں۔

ان دنوں بابا تاج الدینؒ کا قیام پاگل خانے میں تھا۔ وجہ یہ تھی کہ جب عقیدت مندوں اور پریشان حال لوگوں کا ہجوم بڑھا تو فرمایا، لوگ ہمیں بہت ستاتے ہیں، اب ہم پاگل جھونپڑی چلے جائیں گے۔

حالات ایسے بنے کہ وہ پاگل خانے منتقل ہوگئے۔ منتظمین اور ڈاکٹر حضرات کو معلوم ہوگیا کہ یہ عام ہستی نہیں۔ ملازمین سے لے کر ڈاکٹر حضرات تک سب ان کی خدمت اپنے لئے اعزاز سمجھتے تھے۔

مریم بی ملاقات کے لئے پہنچیں تو بابا تاج الدینؒ انہیں دیکھتے ہی کھڑے ہوئے اور فرمایا،

''ہم تو ایک عرصے سے تیرے منتظر تھے۔''

یہ کہہ کر بابا صاحبؒ نے مریم بیؒ کے ہاتھوں کی چوڑیاں توڑ دیں اور فرمایا۔۔۔ روزانہ آیا کر۔

مریم بیؒ روزانہ آتیں اور پھاٹک کے باہر مخصوص جگہ پر کھڑے ہو کر بابا صاحبؒ کی طرف متوجہ رہتیں۔ رفتہ رفتہ استغراق پیدا ہوا اور کھانے پینے کا ہوش نہ رہا۔ بابا صاحبؒ ان کی کیفیت سے باخبر تھے۔ اس معمول کو ایک سال گزر گیا۔

بابا تاج الدینؒ پاگل خانے سے شکردرہ اور پھر واکی تشریف لے گئے۔ مریم بیؒ نے بھی پیروی کی۔ معمول کے مطابق ہر روز خدمت میں حاضر ہوتیں۔ واکی میں ریاضت کا عرصہ بھی ایک سال پر محیط ہے۔

ریاضت کے زمانے میں بابا تاج الدینؒ ایک روز مریم بیؒ کو لے کر کنہاں ندی کے اطراف جنگل میں گئے۔ جنگل ویران تھا مگر اکثر کوئی جنگلی جانور آجاتا۔ چلتے چلتے ایک مقام پر رکے اور حکم دیا،

''یہاں بیٹھ جا اور بلا اجازت نہ اٹھنا۔''

مریم بی صاحبہؒ کو حکم کی تعمیل میں خوف محسوس ہوا نہ کسی ضرورت کے بارے میں سوچا۔ بابا صاحبؒ انہیں ویران جنگل میں چھوڑ کر آگئے۔

سات دن گزر گئے۔ بابا صاحبؒ نے کچھ کھایا نہ کچھ پیا۔ آٹھویں روز حجرے سے باہر تشریف لائے اور بلند آواز سے پکارا۔

''پچھمن واکوڑیا! پچھمن واکوڑیا!''

واکوڑیا کسان تھا۔ نام سن کر حاضر ہوا۔

فرمایا، اماں مریم تیرے کھیت کی طرف جنگل میں ہیں۔ تو جا اور انہیں کھانا کھلا اور خدمت کیا کر۔

واکوڑیا نے کھانا تیار کروایا اور مریم بی صاحبہؒ کی تلاش میں نکلا۔ وہ جنگل میں جھاڑیوں کے درمیان چادر اوڑھے لیٹی تھیں۔ کئی آوازیں دیں لیکن جنبش نہ ہوئی۔ جب واکوڑیا نے بابا صاحبؒ کا نام لیا کہ ان کے حکم پر آپ کے لئے کھانا لایا ہوں تو مریم بیؒ فوراً اٹھیں اور بمشکل چند نوالے لئے۔ کہتے ہیں کہ جب واکوڑیا کھانا لے کر مریم بیؒ کی تلاش میں نکلا تھا، اس کے کافی دیر بعد بابا صاحبؒ نے کھانا کھایا۔

بابا تاج الدینؒ مریم بی پر بے حد شفقت فرماتے تھے اور اپنی والدہ کے نام پر انہیں مریم بی اماں کہتے تھے۔ فرماتے تھے — وہ تو میری ماں ہے۔

مریم اماںؒ فرماتی ہیں،

''مرشد کریم نے برسوں کا راستہ دنوں میں طے کروا دیا اور سالہا سال مشقت کا کام آسان کر کے مجھ پر ولایت کا باب کھول دیا۔''

مریم بی اماںؒ خواتین میں روحانی صلاحیتوں کی ایک مثال ہیں۔ پہلی ملاقات سے انہوں نے مرشد کے حکم کو حرزِ جاں اور توجہ کا مرکز بنایا۔ شکر درہ میں پاگل خانے کے باہر وہ ایک جگہ بیٹھ کر مرشد کریم کی طرف متوجہ ہو جاتی تھیں۔ تصور قائم ہونے سے ذہن منتقل ہوتا ہے۔ ان پر بھی جذب کی کیفیت طاری ہونا شروع ہوئی۔ پھر جنگل میں ریاضت جہاں جنگلی جانور کا خطرہ ہو اور کھانے پینے کا سامان نہ ہو، وہاں مریم اماںؒ اپنے مرشد کے حکم پر بیٹھ گئیں۔ جتنے دن تک مرید کے حلق سے نوالہ نہیں اترا — مرشد کریم نے بھی کچھ نہیں کھایا۔ شہنشاہ ہفت اقلیم کا حکم تھا:

''میرے پاس آنے سے پہلے مریم اماں کی خدمت میں حاضری دی جائے۔''

مریم اماںؒ کے لئے واکی میں ایک جگہ مقرر کی گئی۔ بابا تاج الدینؒ کے پاس جو آتا، پہلے مریم اماںؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیتے۔

پیرومرشد کی طرز فکر مرید میں راسخ ہوگئی تھی۔ لوگوں نے دیکھا کہ بابا تاج الدینؒ جو بات فرماتے ہیں، مریم بی اماںؒ کی زبان پر وہی بات ہوتی ہے۔

وہ فرماتی ہیں کہ راہِ سلوک کے سارے مسافروں کو ہوا کی طرح رہنا چاہئے جو پھول اور کانٹے دونوں سے گزر جاتی ہے۔

اولیاء اللہ خواتین و حضرات سے کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ کرامت کا تعلق مقداروں کے علم سے ہے۔ اللہ نے مخلوقات کو تصرف کا علم عطا کیا ہے۔ ہر تخلیق ایک فارمولا ہے اور فارمولا مختلف مقداروں سے مرکب ہوتا ہے۔ باطنی علوم میں تفکر کرنے والوں کو مقداروں کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور وہ تصرف کے ذریعے ان اجزا کو یکجا کر دیتے ہیں جن سے شے تخلیق ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے،

''ہم نے مسخر کر دیا اپنے حکم سے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے تمہارے لئے۔'' (الجاثیہ:۱۳)

لوگ علاج اور دعا کے لئے آنے لگے۔ ایسے مریض بھی آتے جن کو ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دے دیا تھا۔ کتاب '101 اولیاء اللہ خواتین' میں سے مریم اماںؒ کی دو کرامات مختصر تحریر ہیں۔

۱۔ مریضہ لائی گئی جس کے ہاتھ پیر بے جان اور نیلے پڑ گئے تھے۔ مریم اماںؒ نے دیکھتے ہی فرمایا کہ

بچی کے گردے ختم ہو گئے ہیں۔ اپنا انگوٹھا دونوں گردوں کے بیچ میں رکھ کر چابی کی طرح گھمایا۔ اس عمل سے گردے صحت مند ہو گئے، نظام بحال ہوا اور مریضہ کے ہاتھ پیروں میں حرارت دوڑ گئی۔

۲۔ بابا تاج الدینؒ کے پاس خون کے سرطان میں مبتلا شخص کو لایا گیا۔ وہ اس وقت موجود نہیں تھے۔ مریض کی حالت بگڑ رہی تھی۔ لوگ مریم اماںؒ کے پاس لے گئے اور بتایا کہ بمبئی کے ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ ماں نے کہا، اللہ کے لئے رحم کرو۔ میرا ایک ہی بچہ ہے۔ مریم اماںؒ نے فضا میں ہاتھ بلند کرتے ہوئے فرمایا۔۔۔ اسے چھوڑ دے۔

لوگوں نے محسوس کیا کہ مریض کے اندر سے ہیولا نکل کر ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ مریض نے سکون محسوس کیا اور کہا کہ مجھے نیند آ رہی ہے، سونا چاہتا ہوں۔ رشتے دار خوشی سے رونے لگے۔ کچھ عرصے کے بعد مرض کے اثرات ختم ہو گئے۔

محترم عظیمی صاحب فرماتے ہیں:

''روحانیت بتاتی ہے کہ کینسر ایک ایسا مرض ہے جو شریف النفس اور بااختیار ہے، سنتا ہے اور حواس رکھتا ہے۔ اس سے دوستی کر لی جائے اور کبھی کبھی تنہائی میں بشرطیکہ مریض گہری نیند سو رہا ہو، اس کی خوشامد کی جائے اور یہ کہا جائے کہ میاں کینسر! تم بہت اچھے ہو، بہت مہربان ہو، یہ آدمی پریشان ہے، اسے معاف کر دو، اللہ تمہیں اس کی جزا دے گا، تو کینسر مریض کو چھوڑ دیتا ہے اور دوست داری کا ثبوت دیتا ہے۔''

جگر کے عارضے میں مبتلا لڑکے کی ماں کے پاس تار آیا کہ بیٹے سے آخری ملاقات کر لو۔ یہ سن کر ماں حواس باختہ ہو گئی اور تصور میں مریم اماںؒ سے دعا کی درخواست کی۔ خواب میں دیکھا کہ مریم اماںؒ بیٹے کی چارپائی کے پاس کھڑی ہیں اور جگر پر دم کرتے ہوئے فرما رہی ہیں کہ فکر کی بات نہیں، اللہ کے حکم سے اچھا ہو جائے گا۔ لڑکا جب صحت یاب ہو کر مریم اماںؒ کے پاس سلام کے لئے حاضر ہوا تو انہوں نے اسے اپنا رومال عطا کیا۔

ناسور کا مرض لاعلاج ہے۔ مریم اماںؒ نے ناسور میں مبتلا مریض کے زخم پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی۔ چند دنوں میں زخم بھرنا شروع ہوا اور ناسور سے نجات مل گئی۔

کتاب ''تاج قطبی'' کے مصنف لکھتے ہیں کہ میں مریم اماںؒ کی خدمت میں حاضر تھا کہ علمِ قیافہ کا ماہر ایک شخص آیا اور ان کے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر سوچ میں ڈوب گیا۔ میں نے پوچھا، کیا ہوا۔۔۔؟ اس نے کہا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو درویشی کا جو مرتبہ حاصل ہے، میرے فہم و ادراک سے باہر ہے۔

بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے نواسے ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ نے واقعہ تحریر فرمایا ہے:

''شکردرہ میں نانا تاج الدینؒ ایک درخت کے نیچے بیٹھا کرتے، گھٹنوں چپ رہتے، نگاہ نیچی کیے، گھٹنوں میں سر دیئے اس طرح جیسے کوئی مراقبہ کرتا ہو۔ لوگ ان کے اردگرد جمع ہو جاتے۔ انتظار کرتے رہتے کہ وہ متوجہ ہوں لیکن بعض دفعہ صبح سے شام ہو جاتی مگر ان کے سراپا میں کوئی حرکت نہ ہوتی۔ حاضرین بالآخر مایوس ہو کر چلے جاتے۔

نانا کی اس بے خودی کو حیات خاں چائے کی پیالی دے کر یا دوپہر کا کھانا پیش کر کے دور کرنے کی کوشش کرتا لیکن بار ہا ناکام ہو کر بی مریم کے پاس پہنچ جاتا اور افسردہ لہجے میں اپنی ناکامی کا تذکرہ کرتا، 'باباصاحبؒ نے صبح سے چائے نہیں پی۔ میرا تو بس نہیں چلتا۔ اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔ معلوم نہیں کہ آج وہ کھانا بھی کھائیں گے یا نہیں۔' اس کی بات سن کر بی مریم دم بخود رہ جاتیں۔ دیر تک سوچتی رہتیں، پھر کہتیں — یہ استغراق ہے۔''

مریم بی اماںؒ جب تک زندہ رہیں، اپنے مرشد کریم کے مشن کو پھیلایا۔ پیر و مرشد جس قصبے اور شہر میں قیام فرماتے، وہ بھی تشریف لے جاتیں۔

مریم اماںؒ کا انتقال شکردرہ میں ہوا۔

ان کی زندگی عشق و وفا، تسلیم و رضا اور مخلوق کی دستگیری کا سبق دیتی ہے اور متوجہ کرتی ہے کہ قدرت نے مرد اور عورت دونوں کو ماورائی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ علیم و بصیر اللہ کا فرمان ہے:

''بے شک فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، اور مومن مرد اور مومن عورتیں، اور قناعت کرنے والے مرد اور قناعت کرنے والی عورتیں، اور صادق مرد اور صادق عورتیں، اور صابر مرد اور صابر عورتیں، اور اللہ کے آگے جھکنے والے مرد اور اللہ کے آگے جھکنے والی عورتیں، اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں۔ اللہ نے ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم رکھا ہے۔'' (الاحزاب: ۳۵)

اماں مریمؒ کے اقوالِ زریں

★ انسان طبعاً معصوم ہے۔ ماحول کی سخت گیری اسے پریشان کر کے سخت گیر بنا دیتی ہے۔

★ بچوں اور بچیوں پر لازم ہے کہ وہ روحانی تعلیم کے ساتھ دنیاوی فنون میں بھی مہارت حاصل کریں۔

★ بڑا آدمی بننا چاہتے ہو تو جھوٹ سے دور رہو۔

★ علم اشیا کو دیکھنے سے نہیں تجربات سے آتا ہے۔

★ مقام حاصل کرنے کے لئے آزمائش ہوتی ہے۔

بلال حسن

اندر میں سیر کیجئے

پڑھئے اور غور کیجئے

★ پھیپھڑے فی منٹ اوسطاً 15 اور سال میں تقریباً 80 لاکھ مرتبہ سانس لیتے اور خارج کرتے ہیں۔

★ ایک دن میں دو ہزار گیلن ہوا سانس کے ذریعے جسم میں داخل ہوتی ہے جو اوسط سائز کے سوئمنگ پول کو بھرنے کے لئے کافی ہے۔

★ چھوٹی آنت میں رؤوں کی کثیر تعداد کھانا جذب کرنے کی سطح کو تقریباً چھ سو گنا بڑھاتی ہے۔ ان کو پھیلانے سے ہزاروں مربع میٹر رقبہ بنتا ہے۔

★ انسانی دل ایک منٹ میں پانچ لیٹر خون پورے جسم میں پمپ کرتا ہے۔ فی منٹ میں تقریباً 75، سال میں چار کروڑ اور اوسط مدت حیات میں تقریباً ڈھائی ارب مرتبہ پھیلتا اور سکڑتا ہے۔

★ نیلی وہیل کی اوسط حرکتِ قلب آٹھ سے دس فی منٹ ہے جب کہ ہاتھی کی 25 سے 30 ہے۔ شکر خورا (ہمنگ برڈ) اور چھچھوندر کی ایک قسم ایسی ہے جس کی دھڑکن کی رفتار فی منٹ 12 سو کے قریب ہے۔

★ انسانی جسم میں خون کی شریانوں کو پھیلایا جائے تو تقریباً 60 ہزار میل رقبہ بنتا ہے۔

آیئے ــــ زندگی میں سفر کریں!

سفر کے لئے زادِ راہ یکسوئی ہے تاکہ حواس ایک نقطے میں سمٹ آئیں اور سننے، دیکھنے اور محسوس کرنے کی حس تیز ہوجائے۔ مضمون میں جس سفر پر ہم آپ کو لے جارہے ہیں، وہ کہیں اور نہیں، اندر میں ہے۔ اندر میں عجائبات ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں اور فرد کو زندگی قائم رکھنے والے کیمیائی اور طبعی خواص سے متعارف کراتے ہیں۔ ساتھ ہی حرکت، رفتار، ٹائم اور اسپیس کے قوانین کا علم دیتے ہیں۔

سفر کی قیمت صبح اور شام کے دس منٹ ہیں۔ یکسوئی سے اندر میں سیر زندگی کے باطن میں داخل کردیتی ہے۔ سفر میں سانس ایندھن اور تصور سواری ہے۔ ایندھن (سانس) جتنا خالص (گہرا) ہوتا ہے سواری (تصور) کی افادیت بڑھ جاتی ہے۔

ذہن سانس پر مرکوز کردیں: گہرا سانس لینے کے لئے غافل ہوکر سانس مت لیں۔ غور کریں کہ کیا چیز اندر داخل ہوکر کس طرح قوت حیات بن رہی ہے اور خارج ہونے میں کیا تبدیل ہوجاتا ہے۔

اس امر کو یقینی بنائیں کہ سانس لینے کا عمل درست ہو۔ طریقِ کار کے مطابق سانس لیتے ہوئے پیٹ باہر کی طرف آئے یعنی پھول جائے اور خارج کرتے وقت پیٹ اندر ہو یعنی سکڑ جائے۔ اکثریت اس کے برعکس سانس لیتی ہے یعنی سانس لیتے ہوئے پیٹ اندر اور خارج کرتے ہوئے باہر ہوتا ہے۔ جو شے حیات کے لئے ایندھن ہے وہی جسم میں غلط طرز پر داخل ہو تو بعد کے مراحل پر منفی اثر پڑتا ہے۔ درست سانس لینے سے جذبات اور رویوں میں بے اعتدالی اور صحت کی خرابی دور کی جاسکتی ہے۔

پھیپھڑے ہر منٹ میں اوسطاً 15 دفعہ، ایک دن میں 21600 اور سال میں تقریباً 80 لاکھ مرتبہ سانس لیتے اور خارج کرتے ہیں۔ ماہرین کہتے ہیں کہ نظامِ تنفس کے ذریعے ایک دن میں دو ہزار گیلن ہوا جسم میں داخل ہوتی ہے۔ یہ مقدار اوسط سائز کے سوئمنگ پول کو بھرنے کے لئے کافی ہے۔ پھیپھڑوں کے ذریعے کتنا بڑا میکانزم حرکت میں ہے۔

سانس توانائی کا ذخیرہ ہے۔ روحانی علوم میں سانس کی مشقوں کی بہت اہمیت ہے۔ توانائی کے ذخیرے کو درست استعمال کرنے والے لوگ کائنات کے امور و رموز سے واقف ہو جاتے ہیں۔

پھیپھڑوں کی ساخت درخت نما ہے۔ تصور کریں کہ آپ ہوا کی طرح پھیپھڑوں میں داخل ہوئے۔ بڑی نالی سے گزر کر ایک کے بعد ایک قدرے چھوٹی نالی میں آئے یہاں تک کہ ان تھیلیوں میں پہنچے جہاں سانس ذخیرہ ہوتی ہے۔ ان کو alveoli کہتے ہیں۔ یہ تھیلیاں شہد کے چھتے کی طرح ہیں اور سینکڑوں میں ہوتی ہیں۔ آکسیجن کے تبادلے اور فاضل مادوں کے لئے وسیع جگہ مہیا کرتی ہیں۔ محققین کہتے ہیں کہ ان کو زمین پر پھیلایا جائے تو یہ ٹینس کورٹ کے برابر جگہ ہے۔ یہ پورا نظام پھیپھڑوں میں چھوٹی سی جگہ پر سمٹا ہوا ہے۔ یکسوئی ہونے پر تھیلیوں کے پھیلنے اور سکڑنے کو محسوس کر سکتے ہیں۔

معدہ: کھانے کے بعد آنکھیں بند کر کے ہاضمے کے نظام پر ذہن مرکوز کریں۔ خوراک کی نالی منہ سے شروع ہو کر نظامِ اخراج تک جاتی ہے۔ اس میں معدہ، جگر، لبلبہ اور آنتوں سے خارج ہونے والی رطوبات شامل ہیں جو نظامِ ہضم میں مدد دیتی ہیں۔

تصور کریں کہ غذا معدے میں جا کر لاشمار چھوٹے اجزا میں تقسیم ہو رہی ہے۔ چھوٹی آنت میں ہزاروں کی تعداد میں باریک رُوئیں (microvilli) ان کو جذب کر رہی ہیں۔ محقق کہتے ہیں کہ رُوؤں کی کثیر تعداد کھانا جذب کرنے کی سطح کو تقریباً چھ سو گنا بڑھاتی ہے۔ اس رقبے کو پھیلایا جائے تو یہ ہزاروں

مربع میٹر رقبہ بنتا ہے۔

دل: دل پر توجہ مرکوز کریں جو ہر منٹ میں پانچ لیٹر خون جسم میں پمپ کرتا ہے۔ یہ سائز میں چھوٹا ہونے کے باوجود حیات کو رواں رکھنے کے لئے وسیع پیمانے پر فرائض انجام دیتا ہے۔ امراضِ قلب کی ایک وجہ جسمانی حرکت میں کمی ہے۔ جسم کے حرکت میں رہنے سے دل کی کارکردگی بڑھتی ہے۔

انسانی دل فی منٹ تقریباً 75، ایک گھنٹے میں چار ہزار پانچ سو، ایک دن میں ایک لاکھ اور ایک سال میں چار کروڑ مرتبہ دھڑکتا ہے۔ اوسط مدت حیات میں تقریباً ڈھائی ارب مرتبہ پھیلتا اور سکڑتا ہے۔

ماہر کھلاڑی کی طرح دراز عمر حیوانات کی دھڑکن کی رفتار کم ہوتی ہے۔ 2019ء میں خشکی اور تری کے سب سے بڑے جانور نیلی وہیل کی حرکتِ قلب ریکارڈ کرنے کا دعویٰ کیا گیا۔ نیلی وہیل سطح پر آئی تو فی منٹ زیادہ سے زیادہ 37 دھڑکنیں ریکارڈ کی گئیں جب کہ گہرے پانی میں یہ شرح کم سے کم ہو کر آٹھ سے چار کے درمیان رہی — اور ایک موقع پر انتہائی کم ہو کر فی منٹ ''دو'' ریکارڈ کی گئی۔

نیلی وہیل کی اوسط حرکتِ قلب فی منٹ آٹھ سے 10 بتائی جاتی ہے۔ دوسرے جانوروں میں ہاتھی کا دل فی منٹ 25 سے 30، کچھوے کا 10، گھوڑے کا 28 سے 40، بیل کا 36 سے 60، بکری اور دنبہ کا 70 سے 80 اور زرافہ کا 65 مرتبہ دھڑکتا ہے۔

چھوٹے اور کم مدت حیات کے حامل جانوروں کی دھڑکن تیز ہوتی ہے۔ جیسے چوہے کی فی منٹ تین سے چار سو، بلی کی 120 سے 140 اور کبوتر کی 185 ہے۔ شکر خورا (ہمنگ برڈ) اور چھچھوندر کی ایک قسم ایسی ہے جس کی دھڑکن کی رفتار محتاط اندازے کے مطابق فی منٹ 12 سو کے قریب ہے۔

محقق کہتے ہیں کہ انسانی جسم میں خون کی شریانوں کو پھیلایا جائے تو تقریباً 60 ہزار میل طوالت بنتی ہے یعنی دل ہزاروں میل کو خون فراہم کرنے والی مشین ہے۔ خون سیال ہے جو پانی سے پانچ گنا زیادہ گاڑھا ہے۔ خون کے ایک قطرے میں تقریباً 50 لاکھ سرخ خلیات کے علاوہ سفید خلیات، پلیٹلٹس اور دیگر اجزا لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔

بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان کے ایم اے اسلامیات کے نصاب میں شامل کتاب ''احسان و تصوف''* میں تحریر ہے،

> ''وریدوں اور شریانوں میں دوڑنے والا خون 24 گھنٹے میں 75 ہزار میل سفر کرتا ہے۔ آدمی ایک گھنٹے میں تین میل چلتا ہے۔ اگر وہ مسلسل بغیر وقفے کے 26 ہزار 380 گھنٹے تک چلتا رہے تب 75 ہزار میل کا سفر پورا ہوگا۔''

---

* یہ تصنیف خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی ہے۔

گردے: تصور مزید گہرا ہونے سے جسم میں کارفرما بنیادی مخفی توانائیوں اور مراحل کا انکشاف ہوتا ہے جو نہایت منظم اور چھوٹے سالمات کے ذریعے انجام پاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جسم میں عمل پذیر کیمیائی حرکات کی تعداد دنیا کی سب سے اونچی عمارت پر تحریر کی جائیں تو عمارت کم پڑ جائے گی۔

کیمیائی عمل اور ردعمل کا انحصار جسم میں معدنیات کی تعداد پر ہے۔ انسانی جسم میں اتنی مقدار میں فاسفورس موجود ہے کہ ایک ماچس کی ڈبیہ بنائی جاسکتی ہے، اتنا لوہا موجود ہے کہ چھوٹی کیل بنائی جاسکتی ہے اور کیلشیم کی اتنی مقدار ہے جو چھوٹے کمرے کو وائٹ واش کرنے کے لئے کافی ہے۔

جسم میں حرکت خون کی گردش سے ہے۔ گردے کا غیر معمولی نظام خون کی صفائی، فاسد مادوں کو الگ اور اخراج کی نالیوں میں رکاوٹ دور کرتا ہے۔ محقق کا اندازہ ہے کہ مٹھی کے سائز کے برابر گردوں میں تقریباً 20 سے 25 لاکھ نالیاں ہیں جن کی ساخت مڑی ہوئی اور پیچیدہ ہے۔ ان کو سیدھ میں رکھا جائے تو تقریباً سو میل فاصلہ بنتا ہے۔ یہ پانی اور نمک کی ضرورت کا خیال رکھتی ہیں۔ ہر نالی کی شروعات مخصوص ساخت سے ہوتی ہے جو انسانی جسم کے وزن سے دس گنا زیادہ پانی اور نمک کی مقدار فلٹر کرتی ہے۔ قدرت کی صناعی کے جس رخ پر غور کریں، عقل حیران رہ جاتی ہے۔

جلد: فاسد مادوں کے اخراج کا ایک ذریعہ جلد ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اوسط درجے کی قد و قامت والے شخص کی جلد کا کل سطحی رقبہ 20 ہزار مربع سینٹی میٹر ہوتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ جلد کے ہر مربع سینٹی میٹر میں دو سو پسینے کے غدود، عصبی ریشوں کے سروں پر موجود تین ہزار حسّی خلیات ہوتے ہیں۔

نظام مدافعت: اللہ نے جسم میں قوت مدافعت کا بہترین نظام رکھا ہے جو اینٹی بیکٹیریا اور اینٹی وائرس کے طور پر کام کر کے ہمیں معمولی اور مہلک بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے تاہم ناقص طرز زندگی سے آدمی کی قوت مدافعت کم زور ہوگئی ہے۔

دماغ: دماغ اور اعصابی نظام بلاشبہ تخلیق کا شاہکار ہیں۔ دماغ میں تقریباً ایک کھرب اعصابی خلیات ہیں جو تمام جسمانی اعضا کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ محقق کہتے ہیں کہ جسم میں اعصابی تحریک کی رفتار 268 میل فی گھنٹا ہے۔

دماغ ایسا معمّا ہے جس کے بارے میں بہت سے انکشافات ہونا باقی ہیں۔ تاہم ان انکشافات کے لئے محقق کا انتظار کرنے کے بجائے اپنے اندر غور

کریں کیوں کہ محقق بھی اپنے اندر تلاش کرتا ہے۔

جسمانی مشین میں بظاہر چھوٹے اعضا کے ذریعے کتنا بڑا کام لیا جارہا ہے۔ بیان کی گئی تفصیل میں اسپیس کے قانون کی بھی اہمیت ہے۔ نالیوں اور شریانوں وغیرہ کو پھیلایا جائے تو میلوں میل احاطہ ہوتا ہے جب کہ جسم کے اندر یہی اسپیس چھوٹے چھوٹے خانوں میں سمٹ آئی ہے۔ اسپیس سمٹنے سے رفتار اور کارکردگی بڑھتی ہے اور جسمانی نظام اس قانون کا ایک مظاہرہ ہے۔

یہ جسم کی مشینری کو چلانے والے اس نظام کی ایک جھلک ہے جو تغیر پر قائم ہے۔ حرکت ہر عضو میں غیب ظاہر غیب کے مرحلے سے گزر رہی ہے۔

محترم عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

''تخلیقی نظام تغیر والا نظام ہے یعنی کوئی شے مستقل تبدیل ہوتی رہے تو شے موجود ہے۔ شے میں تبدیلی واقع نہ ہو تو نشوونما کا قانون رک جاتا ہے۔ واضح مثال ہماری اپنی ذات ہے۔ جب ہم آدمی کی تخلیق پر غور کرتے ہیں تو تغیر کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ اسپرم خود ایک تغیر ہے جو مختلف مدارج سے گزر کر نئی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ظاہر ہونے کے بعد روزانہ غیب ظاہر ہوتا ہے۔ جوانی آتی ہے اور غیب ہوجاتی ہے۔ پھر انحطاط کا دور آتا ہے اور آدمی بڑھاپے میں تبدیل ہوتا ہے۔ بڑھاپا غیب ہوا تو ہماری نظر میں وجود غیب ہوگیا جب کہ وجود کی تعریف یہ ہے کہ جو شے تخلیق ہوگئی وہ مختلف زاویوں سے روز غائب اور دوسرے دن ظاہر ہورہی ہے۔ پیدائش کا مطلب غیب سے ظاہر دنیا میں مظاہرہ ہے۔ ظاہری دنیا کی تعریف کی جائے تو یہ بات قابل ذکر ہے کہ ساری دنیائیں تغیر کے علاوہ کچھ نہیں۔ خالقِ کائنات کا بنایا ہوا ایک پروگرام ہے جو غیب ظاہر کی بیلٹ پر قائم ہے۔''

تغیر جس حرکت پر قائم ہے، اس کی تفصیلات اور صلاحیتیں جسم سے ہزاروں گنا زیادہ ہیں۔ ہم نے اپنے اندر دیکھنے کے لئے خود کو مشینوں کا پابند کردیا ہے۔ مشینیں مخصوص حد کے بعد کام نہیں کرتیں، جتنی سکت مشینوں کو دی گئی ہے، اس کے مطابق مظاہرہ کرتی ہیں۔ مشینی صلاحیت، ذہنی صلاحیت کا مظاہرہ ہے۔

یہ مشینوں کے عروج کا دور ہوسکتا ہے، ذہن کے عروج کا دور ہرگز نہیں۔ اپنے اندر دیکھنے کے لئے مشین کی ضرورت ہو تو بااختیار ہونے کے دعوؤں کی قلعی کھل جاتی ہے۔ پستی کی واضح مثال اور کیا ہوگی!

اپنے اندر حرکت کے نظام پر غور وفکر کرنے سے لامحدود صلاحیتوں کا انکشاف ہوتا ہے جو ابھی پردے میں ہیں۔

کنول میں برقی روشنی

مولانا ابوالکلام آزادؔ کی اسیری کے دنوں میں لکھی گئی تحریر کا ایک ورق پڑھیے۔

جس قید خانے میں صبح ہر روز مسکراتی ہو، جہاں شام ہر روز پردۂ شب میں چھپ جاتی ہو۔ جس کی راتیں کبھی ستاروں کی قندیلوں سے جگمگانے لگتی ہوں، کبھی چاندنی کی حسن افروزیوں سے جہاں تاب رہتی ہوں، جہاں دوپہر ہر روز چمکے، شفق ہر روز نکھرے، پرند ہر صبح و شام چہکیں، اسے قید خانہ ہونے پر بھی عیش و مسرت کے سامانوں سے خالی کیوں سمجھ لیا جائے؟ یہاں سروسامان کار کی تو اتنی فراوانی ہوئی کہ کسی گوشہ میں بھی گم نہیں ہوسکتا۔ مصیبت ساری یہ ہے کہ خود ہمارا دل و دماغ گم ہوجاتا ہے۔ ہم اپنے سے باہر ساری چیزیں ڈھونڈتے رہیں گے مگر اپنے کھوئے ہوئے دل کو کبھی نہیں ڈھونڈیں گے۔ حالاں کہ اسے ڈھونڈ نکالیں تو عیش و عشرت کا سارا سامان اسی کوٹھری کے اندر سمٹا ہوا مل جائے۔

ایوان و محل نہ ہوں تو کسی درخت کے سائے سے کام لیں۔ دیبا و مخمل کا فرش نہ ملے تو سبزۂ خودرو کے فرش پر جا بیٹھیں۔ اگر برقی روشنی کے کنول میسر نہیں ہیں تو آسمان کی قندیلوں کو کون بجھا سکتا ہے؟ اگر دنیا کی ساری مصنوعی خوش نمائیاں اوجھل ہوگئی ہیں تو ہوجائیں، صبح اب بھی ہر روز مسکرائے گی۔ چاندنی اب بھی ہمیشہ جلوہ فروشیاں کرے گی۔ لیکن اگر دل پہلو میں زندہ نہ رہے تو خدارا بتلایئے اس کا بدل کہاں ڈھونڈیں؟ اس کی خالی جگہ بھرنے کے لئے کس چولہے کے انگارے کام دیں گے؟

مجھے یہ ڈر ہے، دل زندہ، تو نہ مرجائے کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

میں آپ کو بتلاؤں اس راہ میں میری کامرانیوں کا راز کیا ہے؟ میں اپنے دل کو مرنے نہیں دیتا۔ کوئی حالت ہو، کوئی جگہ ہو، اس کی تڑپ دھیمی نہیں پڑے گی۔ میں جانتا ہوں کہ جہان زندگی کی ساری رونقیں اسی میکدۂ خلوت کے دم سے ہیں۔ یہ اجڑا ــــ اور ساری دنیا اجڑ گئی۔

(کتاب: غبار خاطر)

سرورق کی تشریح

سائنس سے دلچسپی رکھنے والے خواتین وحضرات اس تحریر کو غور سے پڑھیں۔

زمین کی فضا میں مخصوص تناسب اور مقداروں کے ساتھ مختلف گیسیں ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ ان میں 78.90 فی صد نائٹروجن، 20.95 فی صد آکسیجن، 0.93 فی صد آرگون، 0.04 فی صد کاربن ڈائی آکسائیڈ جب کہ دوسری گیسیں قلیل مقدار میں فضا کا حصہ ہیں۔ ان کی مقداروں میں معمولی ردّوبدل سے نظام زندگی متاثر ہوجاتا ہے۔

مثلاً ہم سانس اندر لیتے ہیں — نائٹروجن، آکسیجن اور دوسری قلیل مقدار میں موجود گیسوں کا آمیزہ پھیپھڑوں میں داخل ہوتا ہے۔ پھیپھڑے مطلوبہ آکسیجن جذب کرتے ہیں اور نائٹروجن وغیرہ من وعن خارج کردیتے ہیں۔

اس طرح نائٹروجن کا بظاہر کوئی کردار نظر نہیں آتا لیکن نائٹروجن کی ضرورت، آکسیجن جیسی ہے۔ فضا میں نائٹروجن کم اور آکسیجن زیادہ ہوجائے تو آکسیجن حیات بخش ہونے کے بجائے مہلک گیس بن جائے گی۔ وجہ یہ ہے کہ آکسیجن کا زمین پر گیسی دباؤ نائٹروجن سے زیادہ ہے اور یہ نائٹروجن سے کہیں زیادہ کیمیائی طور پر عامل گیس ہے۔ آکسیجن زیادہ ہونے سے پھیپھڑے دباؤ برداشت نہیں کرسکیں گے یعنی پھیپھڑوں میں موجود بہت چھوٹی ہوائی تھیلیاں دباؤ سے پھٹ جائیں گی یا شگاف پڑجائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ آکسیجن اپنے کیمیائی تعامل کی تیزی کی وجہ سے سانس کی نالی اور پھیپھڑوں کے

ساتھ عمل کر کے ان کی ہیئت بدل دے گی یا دوسرے معنوں میں پھیپھڑے ناکارہ ہو سکتے ہیں۔ یہ ایک مثال ہے۔ دوسری گیسوں میں بھی کمی بیشی زمینی حیات کو معدومیت سے دوچار کر سکتی ہے۔

زمینی نظام میں مٹی، پانی، جنگل، دریا، سمندر، ریگستان، پہاڑ اور میدان وغیرہ سب مقداروں پر قائم ہیں اور مقداروں میں توازن ہے۔ اگر آدمی قدرتی نظام میں توازن کی پاسداری کرے تو زمین جنت کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری کر کے ہی بندہ زمین کے قدرتی نظام کو برقرار رکھ سکتا ہے۔ اطاعت کا صلہ سکون اور یقین کی لازوال دولت ہے۔ جتنے ماحولیاتی نظام (ecosystems) ہیں، سب کی مقداریں معین ہیں تاکہ ماحولیاتی نظام میں جان دار بے گھر ہوں نہ نسل کشی کا خطرہ ہو۔

یقین اور سکون سے اشیا کے حقائق ظاہر ہوتے ہیں، الوژن کی گرفت ٹوٹتی ہے اور ذہن خالق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ نتیجے میں جنت (فرماں برداری کا زون) کی زندگی حاصل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی منشا نظر انداز کر کے انسانی طرزوں کے خلاف عمل کرنا، نافرمانی اور بغاوت کا ذہن ہے۔

زمین کی فضا اور بطن میں حیاتیاتی نظام کے لئے مفید گیسیں اور معدنیات ہیں اور یہ اللہ کے سوا کسی کی ملکیت نہیں۔ ان پر قبضہ کر کے دوسروں کے استحصال سے مصائب و آلام کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ جب ذہن وسائل ''جمع کرنے'' میں مشغول ہو جائے تو خوف اور وسوسے پیدا ہوتے ہیں اور فرد کو یقین سے دور کر دیتے ہیں۔

یقین کے بارے میں ارشاد باری ہے:

''جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ
ہر شے اللہ کی طرف سے ہے۔'' (آل عمران: ۷)

جسم کو اہمیت دے کر روح کو نظر انداز کرنا ناعاقبت اندیشی ہے۔ اس کا ایک مظاہرہ جانوروں اور انسانوں کی جنیات اور ڈی این اے میں عمل دخل ہے جس کے نتائج انتہائی بھیانک ہیں۔ علاوہ ازیں ایٹم میں موجود توانائی سے مخلوق کو فائدہ پہنچانے کے بجائے تباہ کن ہتھیار بنا دیئے گئے ہیں جو زمین کو کسی بھی وقت آگ کی بھٹی میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ وسوسوں کے جال میں نئے نئے وائرس اور وبائیں ہزاروں افراد کی جان لے چکی ہیں۔ جب کہ مادی ٹیکنالوجی ان وباؤں کے آگے بے بس ہے۔ (ح،م۔ پھالیہ)

ملک محمد ناصر

پوتوں اور نواسوں کا سوال

میں سوچتا ہوں کہ ہر مخلوق نام کی تخصیص کے بغیر رہتی ہے ۔ ان کی زندگی کس قدر پُرسکون ہوگی کہ نوعی سطح پر ان کا شعور ایک ہے کیوں کہ انہوں نے انفرادی نام کے بجائے نوعی نام کو پہچان بنایا ہے۔

یہ عبدالحئ صاحب کا گھر ہے۔ان کے چار بچے ہیں اور سب شادی شدہ ہیں۔ وہ چھوٹے بیٹے نعمان کے ساتھ رہتے ہیں۔چھٹی والے دن بیٹوں اور بیٹی کے آنے سے گھر میں رونق ہوجاتی ہے۔ پورا ہفتہ وہ اس دن کا انتظار کرتے ہیں۔ اپنی دونسلوں کو ایک جگہ دیکھ کران کی خوشی کا ٹھکانا نہیں ہوتا۔

پڑھئے کہ جب بچے اکٹھے ہوئے تو کیا ہوا۔

پوتے، پوتیوں اور نواسوں نے گھر میں اودھم مچا رکھا تھا۔ ناشتے کے بعد سب دادا کے کمرے میں آگئے۔ بڑے گفتگو میں مصروف اور بچے کبھی دادا کی کتاب اٹھاتے اور کبھی عینک لگا لیتے۔

دادا کی گود میں بیٹھے سب سے چھوٹے پوتے خضر نے پوچھا، دادا ابو! آپ کا نام کیا ہے؟

اس سے پہلے کہ وہ نام بتاتے، پانچ سالہ قاسم نے نانا کی عینک پہنتے ہوئے کہا، ان کا نام نانا ابو ہے۔

نہیں! یہ دادا ابو ہیں۔

نہیں! ان کا نام نانا ابو ہے۔

بچے شرارت بھول کر گفتگو میں شامل ہوگئے اور نام پر اتفاق نہ ہوسکا۔ عبدالحئ صاحب کے بڑے بیٹے فرقان نے یہ کہہ کر بچوں کے لئے مشکل کھڑی کردی کہ ان کا نام بابا جان ہے۔

اماں ابا مسکرا رہے تھے اور بچوں کے چہروں پر حیرانی تھی کہ ہمارا ایک نام ہے، دادا ابو کے نام اتنے زیادہ کیوں ہیں۔عبدالحئ صاحب کی چھوٹی بہو نوشین ان کی بھتیجی تھیں۔ شرارت سے کہا، بچو! آپ کیوں پریشان ہیں، ان کا نام تایا ابو ہے۔

کمرے میں قہقہے گونجے — قہقہوں میں دادا اور چھوٹے بچے شامل نہیں تھے۔ پوتوں اور نواسوں کے سوال نے انہیں سوچ میں ڈال دیا تھا۔

بچوں کی موجودگی سے چڑیوں جیسی چہکار تھی۔

رات کو سب اپنے آشیانوں کو لوٹ گئے۔

نعمان چاہتا تھا کہ بچے زیادہ وقت دادا کے ساتھ

گزاریں تا کہ تربیت اچھی ہو اور دادا کو بھی تنہائی کا احساس نہ ہو۔ سچ ہے کہ چھوٹے بچے بڑھاپے کا سہارا ہوتے ہیں۔ بچے دادا ابو کے پاس سوتے تھے۔ ان کے سوتے ہی گھر میں خاموشی چھا گئی۔

عبدالحئ بستر پر دراز، آنکھیں موندے لیٹے تھے۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ کانوں میں بچوں کی شرارتیں اور دادا کے نام پر تکرار ہو رہی تھی۔ یہ نانا ابو ہیں، یہ دادا ابو ہیں، یہ بابا جان ہیں، یہ تایا جان ہیں۔

عبدالحئ صاحب نے سوچا کہ نام کی کثرت کا سلسلہ یہاں رکا نہیں۔ گھر سے باہر لوگوں کے لئے میں بھائی صاحب ہوں اور جب سے حج کر کے آیا ہوں، اہلِ محلّہ حاجی صاحب کہتے ہیں۔ ناموں کے ہجوم میں سر چکرانے لگا کہ میں کون ہوں، کہاں ہوں، میرے اتنے نام کیوں ہیں، اتنے کرداروں میں کیوں تقسیم ہوں اور ان میں عبدالحئ کون ہے — ؟ ایک چہرے پر کتنے چہرے سجا رکھے ہیں۔ ناموں کا لبادہ اوڑھ کر خود کو مختلف رشتوں اور وقت کے مراحل (بچپن، جوانی اور بڑھاپا) میں پیچھے چھپا لیا ہے جیسے آدمی نہیں — بہروپیا ہوں۔

لائٹ جلا کر آئینے میں تلاش کیا کہ ان میں عبدالحئ کون ہے، دادا ابو، نانا ابو، بابا جان اور حاجی صاحب کون ہیں۔ چہرے پر سوال تھے۔ ہلکی روشنی میں رنگ پھیکا نظر آیا۔ دوسری لائٹ جلائی۔ روشنی زیادہ ہونے سے چہرے پر رونق نظر آئی۔ آئینے کے سامنے سے ہٹے، لائٹ بند کی اور بستر پر لیٹ گئے۔ خود کو دیکھنے کے لئے کتنے میڈیم درمیان میں ہیں۔ آئینے پر سے یقین اٹھ گیا کہ آئینہ بھی میڈیم کا محتاج ہے۔

فرد ایک اور نام زیادہ ہیں۔ ہر نام شناخت ہے اور شناخت 'میں' ہے۔ 'میں' کا کردار سارے کرداروں پر حاوی ہے۔ ظاہر میں، 'میں' کے کئی نام ہیں — باطن میں، 'میں' کا کوئی نام نہیں۔ وہاں سب ایک رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے،

''ہم تمہاری رگِ جان سے زیادہ تم سے قریب ہیں۔'' (قٓ: ۱۶)

باطن میں اللہ نے سب کا تعارف اپنی ذات سے منسلک کیا ہے اس لئے وہاں 'میں' نہیں ہے۔ اللہ 'الحی القیوم' ہے۔ مخلوق کو زندہ اور قائم رکھتا ہے، غیب سے ظاہر اور ظاہر سے غیب میں لے جاتا ہے۔ بحر و بر اور فضا میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کے حکم کے بغیر حرکت کرے۔ اس کے نور کا ہر شے میں ظہور ہے۔

باطن میں فرد جسم کی انفرادیت کھو دیتا ہے — ظاہر میں انفرادیت قائم رہتی ہے اور ہر بندہ انفرادی پہلو سے رشتوں کو دیکھتا ہے۔ عبدالحئ صاحب کو احساس تھا کہ ناموں کی تقسیم میں ان کی اصل کھو گئی ہے۔ باطن

کے آئینے میں انہوں نے دیکھا کہ ان کا نام عبدالحئی بھی نہیں۔ جس طرح پوتوں اور نواسوں نے دادا اور نانا کہا، عبدالحئی نام اماں ابا نے رکھا۔ کیا عبدالحئی وہ تصور ہے جو اماں ابا کے ذہن میں تھا—؟ نام پر نام رکھنے سے ان کی اصل چھپ گئی۔

دکھ تھا کہ حقیقت اس وقت آشکار ہوئی جب وہ اس عالم کے آخری کردار بڑھاپے میں ہیں۔ بچوں کے فرائض سے سبکدوش ہونے کے بعد اطمینان تھا کہ اپنی ذمہ داری پوری کی۔ مگر آگہی نے احساس دلایا کہ شناخت دھوکا ہے۔

وقت سے پہلے صبح کی سیر کو نکلے۔

ملک صاحب دو گلی آگے رہتے تھے۔ پودوں اور پرندوں سے انسیت تھی۔ ریٹائرمنٹ کے دن کتب بینی اور باغبانی میں مصروف رہ کر گزار رہے تھے۔ گھر کا گیٹ کھلا تھا۔ چڑیوں کو دانہ ڈالتے ہوئے شناسا چہرے کو گزرتے ہوئے دیکھا تو فوراً آواز دی— عبدالحئی! کیا سیر کا وقت بدل دیا ہے؟

آواز سن کر قدم رک گئے۔ آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کر کے گیٹ کے اندر داخل ہوئے اور کہا، بھائی! پوتے کے سوال نے سکون بے سکون کر دیا۔ وہ پوچھتا ہے کہ آپ کا نام کیا ہے۔ نواسہ کہتا ہے کہ میرا نام نانا ابو ہے۔ بیٹا کہتا ہے کہ یہ بابا جان ہیں اور بہو کہتی ہے کہ میں تایا ابو ہوں۔ میری نسل میں کسی کا میرے نام پر اتفاق نہیں۔ سب الگ نام سے پکارتے ہیں۔ ملک! تم ہی بتاؤ میں کون ہوں۔

ملک صاحب نے قہقہہ لگایا۔

بھائی عبدالحئی! تم ایسے مرحلے میں داخل ہو گئے ہو کہ جواب تلاش کیے بغیر یہاں سے نہیں نکل سکتے۔ دیکھ رہے ہو چڑیاں کتنی خوشی سے دانہ چگ رہی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد کھیل کود میں مصروف ہو جائیں گی۔ ایک ڈالی سے دوسری ڈالی پر بیٹھیں گی، مٹی میں غسل کریں گی، آس پاس کی سیر کرنے کے بعد شام ہوتے ہی اپنے اپنے آشیانوں میں لوٹ جائیں گی۔ مجھے پھول، پودوں اور پرندوں میں رہ کر دن گزارنا پسند ہے۔ جانتے ہو کیوں—؟ کیوں کہ ان کا انفرادی نام نہیں ہے۔ سب کی پہچان اجتماعیت ہے۔ چڑیا کی نوع کا ہر فرد الگ ہے مگر چڑیا کہلاتا ہے۔ سارے گلاب، گلاب ہیں۔ گلاب اور چڑیا نام ہم نے دیا ہے۔ کیا یہ بھی خود کو چڑیاں کہتی ہیں—؟ میں سوچتا ہوں کہ ہر مخلوق نام کی تخصیص کے بغیر رہتی ہے۔ ان کی زندگی کس قدر پُرسکون ہوگی کہ نوعی سطح پر ان کا شعور ایک ہے کیوں کہ انہوں نے انفرادی نام کے بجائے نوعی نام کو پہچان بنایا ہے۔ نام ہی نہیں تو ملکیت کا کیا تصور! پرندے آشیانے بنا کر چھوڑ کے چلے جاتے ہیں جن میں انجان افراد آ کر بسیرا کرتے

ہیں۔ وہ بھی چلے جاتے ہیں اور ان کی جگہ کوئی اور آتا ہے۔ ہمارا حال دیکھو! اپنے نام سے مکان بناتے ہیں اور بچوں کے نام کر کے چلے جاتے ہیں۔ نام کی وجہ سے بچوں میں رنجش پیدا ہو جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مٹی کا مکان بنا کر ہم خوش ہو گئے، مگر مکان گھر نہیں بنا۔ آہ! سب نام کا کیا دھرا ہے۔

عبدالحئی صاحب بولے، یہ باتیں پہلے کیوں نہیں ہوئیں۔ عمر کے آخری مرحلے میں آگہی نے در کھولے ہیں۔ بے شک نام دھوکا ہے لیکن نام کے بغیر کیسے پتہ چلے گا کہ میں کون ہوں۔

ملک صاحب نے کہا، پودے اور پرندے تو یہی بتاتے ہیں کہ پہچان نام سے آزاد ہو کر ملتی ہے۔

ملک صاحب! میرا ذہن ٹوٹا ہے۔ لگتا ہے کہ ساری محنت رائگاں ہو گئی۔ ٹوٹے ذہن کو کیسے جوڑوں؟

انہوں نے کہا، بعض چیزیں ٹوٹ جائیں تو جوڑی نہیں جاتیں، دراڑیں باقی رہتی ہیں۔ ٹوٹنے سے جو سیکھا ہے اس تجربے سے نئی چیز بناتے ہیں۔ قدرت نے انسان کی فطرت میں تلاش رکھی ہے تاکہ ارتقا کا سفر جاری رہے۔

عبدالحئی صاحب نے شبنم سے تر گھاس پر بیٹھتے ہوئے کہا، ملک! عمر کے اختتام پر کسی کو یہ معلوم ہو کہ میں نے زندگی جس یقین پر گزاری وہ دھوکا ہے تو بتاؤ اس کا حال کیا ہوگا—؟ 70 سال الوژن میں گزر گئے۔ بھائی! کل سے سوچ میں گم ہوں اور یہ سمجھا ہے کہ نام تصورات کا خول ہے۔ ہر ایک مجھے اپنے تصور سے دیکھتا ہے اور میں خود کو ان کے تصور سے دیکھتا ہوں۔ خول کا مقدر بالآخر ٹوٹنا ہے جو ٹوٹ گیا۔ اب میں اپنی تلاش میں ہوں۔

ملک صاحب نے کہا، میرا مشورہ ہے کہ خود کو تلاش کرنے کے بجائے خود سے دوستی کرو کیوں کہ جسے تم تلاش کر رہے ہو وہ تم خود ہو۔ عبدالحئی کو ایک طرف رکھ کر دیکھو کہ یہ نام کس وجود کو دیا گیا ہے۔ جاننے اور پہچاننے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ صفات کے ذریعے جاننا اور دوسرا ذات کے ذریعے پہچاننا ہے۔ ذات سے واقف ہونے کا راستہ صفات کے وقوف سے ملتا ہے۔ عبدالحئی! جن صفات پر اللہ نے ہمیں پیدا کیا ہے، ان پر غور کرو۔ صبر آزما سفر ہے مگر دھوکے میں رہنے سے بہتر ہے۔ تمہیں جس نام سے پکارا جائے، خود کو اس نام سے منسوب مت کرو بلکہ اسے نام لینے والے کا تصور سمجھو۔ اس طرح تصور کا خول ٹوٹتا ہے، پرتیں کھلتی ہیں اور پرتوں نے جس شناخت کو چھپایا ہوا ہے، وہ ظاہر ہو جاتی ہے۔

عبدالحئی صاحب کی الجھن دور ہو گئی۔

انہیں مخلوق سے محبت کرنے والے ایک دوست نے راستہ دکھا دیا تھا۔

زاہدہ تبسم

آگ میں بارش ـــ بارش میں آگ

بابا تاج الدین ناگپوریؒ نے لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دیا۔ آگ جلائی اور ٹونٹی سے تھوڑا تھوڑا پانی آگ پر ڈالا۔ قطرے سلگتی ہوئی لکڑیوں پر گرتے اور لمحہ بھر میں بھاپ بن کر اوپر کا رخ کرتے۔

تخلیقِ کائنات کی بات ہوتی ہے تو آسمان و زمین کا تذکرہ آتا ہے۔ شعوری نگاہ فضا میں جس مقام پر رکتی ہے، ہم اسے آسمان سمجھتے ہیں۔ زمین سے مراد بچھونا (فرش) ہے جس پر مخلوق پابند زندگی گزارتی ہے۔ آسمان اور زمین کیا ہیں ـــ؟ شعور کے دو رخ ہیں جن پر زندگی قائم ہے۔ آسمان کی حیثیت زمین کے لئے سورس آف انفارمیشن کی ہے۔

''اور وہی ہے جو اپنی رحمت کے آگے ہواؤں کو بشارت بنا کر بھیجتا ہے۔ اور آسمان سے پاک پانی نازل کرتا ہے تاکہ مردہ علاقے کو اس کے ذریعے زندگی بخشے اور اپنی مخلوق میں سے جانوروں اور انسانوں کو سیراب کرے۔'' (الفرقان: ۴۸۔۴۹)

زمین بساط ہے۔ جس مقام سے پانی نازل ہوتا ہے قرآن کریم میں اسے 'سماء' کہا گیا ہے۔ راہ نمائی ملتی ہے کہ آسمان کا مفہوم وسیع ہے۔ آسمان سے پانی برسانے سے زمین پر وسائل مظہر بنے اور لاشعور سے شعور میں آگئے۔ اللہ تعالیٰ کے نظامِ رحمت کے ذریعے زمین پانی سے سیراب ہو کر قسم قسم کے نباتات اگاتی ہے جس میں انسان، حیوانات اور دوسری مخلوق کے لئے غذا اور آسائش و آرام کا سامان ہے۔

''ہم نے ہر شے پانی سے پیدا کی۔'' (الانبیآء: ۳۰)

حیات جن صفات پر قائم ہے، ان صفات کا مظاہرہ پانی کے ذریعے ہو رہا ہے۔ پانی کی طبعی خصوصیات کا جائزہ لیا جائے تو زمین پر زندگی جاری رکھنے کے لئے پانی موزوں ترین شے ہے کیوں کہ اس میں تمام مادوں کو جذب کرنے اور ان کی شکل میں ڈھلنے کی صلاحیت ہے۔

پانی ٹھوس شکل اختیار کرتا ہے، گیس میں تبدیل ہوتا ہے اور مائع بھی بن جاتا ہے۔

اللہ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کو ظاہر کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے 'ہو' ـــ وہ ہو جاتی ہے۔ نتائج ذہن میں رکھتے ہوئے وسائل کی منصوبہ بندی

اور تقسیم ــــ تدبیر ہے۔

''اللہ امر کی تدبیر فرماتا ہے آسمان سے زمین تک۔'' (السجدۃ: ۵)

پانی قدرتی نظام میں مخصوص مقداروں اور توازن کے ساتھ گردش میں ہے۔ سورج کی تپش سے پانی فضا میں بخارات بن کر اڑتا ہے۔ درختوں کے سانس لینے سے جو بخارات خارج ہوتے ہیں، وہ بھی فضا میں شامل ہوجاتے ہیں۔ بخارات سے بادل بنتے ہیں اور بادل سے پانی دوبارہ زمین کی طرف پلٹ آتا ہے۔ یہ آبی چکر (water cycle) کہلاتا ہے۔

زمین پر پانی کا 97 فی صد ذخیرہ سمندر میں ہے۔ سمندروں سے آبی بخارات زیادہ بنتے ہیں اور خشکی کے برعکس سمندر پر بارش بھی زیادہ ہوتی ہے۔

''اور بادلوں سے بارش برسائی کہ اس کے ذریعے سے غلّہ اور سبزی اور گھنے باغ اگائیں۔'' (النبا:۱۴۔۱۶)

جائزہ لیتے ہیں کہ 'آبی چکر' میں پانی کن قوانین کے تحت حرکت کرتا ہے۔

سورج کی کرنیں آبی ذخائر پر پڑتی ہیں تو بخارات بنتے اور اوپر اٹھتے ہیں۔ یہ evaporation یعنی عملِ تبخیر کہلاتا ہے۔ حرارت ملنے پر مائع کے سالمے گیس میں تبدیل ہوتے ہیں اور بلندی پر پہنچ کر ہوا کے دباؤ سے دوبارہ قطرے (مائع) بن جاتے ہیں۔

بتایا جاتا ہے کہ بارش برسانے والے بادل زمین سے تقریباً دو ہزار کلومیٹر کی بلندی پر ہوتے ہیں۔ سائنسی قوانین کے مطابق اس بلندی سے بارش کے قطرے زمین پر گریں تو ان کی رفتار اور شدت میں اضافہ ہونا چاہئے یعنی قطرے اپنی اصل رفتار سے گریں تو زمین پر تعمیرات کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

مگر ہوتا یہ ہے کہ بارش کے قطرے چاہے جس بلندی سے گریں، ان کی اوسط رفتار میں خاص حد کے بعد تیزی نہیں آتی۔ وجہ ان قطروں کی مخصوص ساخت ہے۔ ہوا کی رگڑ سے قطروں کی رفتار میں شدت کم ہوتی ہے اور زمین پر پہنچنے تک بارش سلامتی بن جاتی ہے۔

جدید تحقیق نے اس معمے کو حل کرنے کی کوشش کی ہے کہ بارش کے قطرے برف میں کیوں تبدیل نہیں ہوتے۔ تحقیق کے مطابق بہت چھوٹے اور آمیزش سے پاک خالص قطرے منفی 40 ڈگری سینٹی گریڈ پر نہیں جمتے لیکن دوسرے عناصر کی آمیزش ہوجائے تو پانی صفر ڈگری سینٹی گریڈ پر جم جاتا ہے۔

خالقِ کائنات کا فرمان ہے:

''جس نے ایک خاص مقدار میں آسمان سے پانی اتارا اور اس کے ذریعے سے مردہ زمین کو زندہ کیا۔ اسی طرح ایک روز تم زمین سے نکالے جاؤ گے۔''

(الزخرف: ۱۱)

بارش رحمت ہے جو اللہ کے حکم سے مناسب اور متوازن مقدار میں مردہ زمین کو جلا بخشتی ہے۔ خشک زمین کو غور سے دیکھیں۔ بظاہر زمین خشک اور بنجر نظر آتی ہے لیکن وہ خوابیدہ (dormant) حالت میں ہے۔ خوابیدہ یا مردہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ زمین میں اربوں کھربوں بیکٹیریا موجود لیکن غیر متحرک ہیں۔ بارش میں نمکیات، دھاتیں اور دیگر عناصر بیکٹیریا کو بیدار (متحرک) کر کے زمین کو زرخیز بناتے ہیں۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ بارش محض بادلوں سے پانی برسنے کا نام نہیں۔ پانی کی بہت چھوٹی بوندوں سے بادل نہیں بنتے۔ ان میں بھاری پن پیدا کرنے کے لئے بالائی فضا میں موجود گرد کے ذرّات بادلوں کے ننھے ننھے قطروں کے لئے 'مرکز' بن جاتے ہیں۔ یہ عمل بادلوں کی تخم ریزی کہلاتا ہے۔ اگر عام بادل میں مصنوعی طریقے سے 'مرکز' بنا دیئے جائیں تو وہ بارش برسانے والے بادل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ طریقہ مصنوعی بارش میں اختیار کیا گیا ہے۔ محقق اس ضمن میں بادلوں کے قطروں کے ملنے اور گرد کے ذرّات کا کردار سمجھنے کی کوشش میں ہیں۔

تخم ریزی کے لئے مخصوص ساخت کے بادلوں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ پھر گرد و غبار کے متبادل کیمیائی مادوں کو ہوائی جہاز کے ذریعے فضا میں پھیلاتے ہیں تاکہ بادل برسنے کے لئے تیار ہوں۔ ماہرین کے نزدیک مصنوعی بارش کے فوائد میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ جب چاہیں، بارش برسا سکتے ہیں۔

۲۔ غیر متوقع بارش سے بعض اوقات فصلوں اور املاک کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس کے برعکس مصنوعی بارش میں پانی اور برف باری کی مقدار کنٹرول میں رہتی ہے۔ یہ عمل اس وقت کیا جاتا ہے جب قدرتی بارش کا امکان نہ ہو۔ (یہ محققین کی رائے ہے۔ اللہ کے ہر کام میں مخلوق کے لئے خیر ہے۔ ہر شے کی مقدار معین ہے۔ یہ آدمی کا طرز عمل ہے جو مصائب کو دعوت دیتا ہے۔)

۳۔ ریگستانی علاقوں کو نخلستان میں تبدیل کرنا۔ تاہم اس میں استعمال ہونے والے کیمیائی مادوں کے بارے میں تحفظات ہیں اور یہ مہنگا عمل ہے۔

اب تک جو پڑھا اس کا خلاصہ پڑھیں:

★ کائنات اللہ کے امر سے ہے۔

★ امر ــــ اطلاع ہے۔

★ زمین کے لئے اطلاع کا ایک سورس پانی ہے۔

★ ''سماء'' وہ مقام ہے جہاں سے پانی برستا ہے۔

★ بارش سے زمین پر وسائل مظہر بنتے ہیں۔

★ مصنوعی بارش برسانے کے لئے مادی ذرائع کا استعمال بالواسطہ (indirect) تصرف ہے۔

''اللہ وہی ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا

کیااور آسمان سے پانی برسایا، پھراس کے ذریعے تمہاری رزق رسانی کے لئے طرح طرح کے پھل پیدا کئے۔'' (ابراہیم: ۳۲)

ہر تحقیق ، تلاش اور تجربہ اطلاع کا مظاہرہ ہے۔ اطلاع کا علم سیکھنے کا ذریعہ قرآن ہے۔علم پر کسی کی اجارہ داری نہیں۔تحقیق کا درس سب کے لئے کھلا ہے۔ کوئی بھی فرد الہامی علوم میں تفکر کر کے اللہ کے حکم سے روشنیوں میں براہِ راست تصرف کرسکتا ہے۔

تخلیقات معین فارمولوں پر قائم ہیں۔ فارمولوں میں اجزائے ترکیبی مقداروں کے تحت ہیں۔وائرس اور بیکٹیریا سے لے کر سمندر، درخت اور پہاڑ سب کی صورت، اوصاف اور مقداریں الگ ہیں۔

شے کے مظاہرے کے لئے درکار اجزا کو اس طرح مرکب کیا جائے کہ عام حالات کے برخلاف ظاہری وسائل کا عمل دخل نظر نہ آئے تو اسے خرق عادت کہتے ہیں ۔خرق عادت انبیائے کرام سے ظاہر ہوتو 'معجزہ' کہلاتی ہے، اولیاء اللہ سے ظہور میں آئے تو 'کرامت' کہتے ہیں اور شیطانی عمل کے تحت کی جائے تو 'استدراج' ہے ۔استدراج کا اثر وقتی ہے جب کہ معجزے اور کرامت کا اثر صاحبِ تصرف کے چاہنے تک قائم رہتا ہے۔

انبیائے کرام کی طرز فکر پاکیزہ ہستیوں کو منتقل ہوتی ہے۔یہ ہستیاں انبیائے کرام کے روحانی علوم کی وارث ہیں۔نور سے منور ان ہستیوں نے نوعِ آدم سمیت تمام مخلوقات کو محبت سے نوازا ہے۔ان میں ایک شہنشاہ ہفت اقلیم بابا تاج الدین ناگپوریؒ ہیں۔ علم وعرفان کے بلند مرتبے پر فائز بابا تاج الدینؒ حقیقت کے رازدان ہیں۔نظامِ تکوین (ایڈمنسٹریشن) میں ان کے انتظام واختیار میں ساتوں اقلیم ہیں۔

بابا تاج الدینؒ سے بہت کرامات صادر ہوئیں۔

ایک دفعہ خشک سالی ہوگئی۔فصلیں متاثر ہوئیں اور مویشی مرنے لگے۔لوگوں نے بابا تاج الدینؒ سے عرض کیا، بابا جی! بارش نہ ہونے سے اناج مہنگا ہوگیا ہے اور عوام پریشان ہیں۔

بابا صاحبؒ بات سن کر مسکراتے ہوئے جنگل کی طرف چل دیئے۔حسب معمول لوگ ساتھ ہولئے۔ ایک گاؤں میں کسانوں نے عرض کیا، بابا صاحب! فصلیں تباہ ہورہی ہیں اور مویشی مررہے ہیں۔

بابا تاج الدین ناگپوریؒ کی کیفیت بدل گئی۔جلال میں آکر پانی طلب کیا۔لوٹے میں پانی پیش کیا گیا۔ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دیا۔آگ جلائی اور ٹونٹی سے تھوڑا تھوڑا پانی آگ پر ڈالا۔قطرے سلگتی ہوئی لکڑیوں پر گرتے اور لمحہ بھر میں بھاپ بن کر اوپر کا رخ کرتے۔ جوں جوں بخارات فضا میں جارہے تھے، لوگوں نے دیکھا کہ آسمان ابر آلود ہورہا ہے۔ لوٹے میں پانی ختم ہوتے ہی سیاہ بادل چھاگئے اور

کچھ دیر میں دھواں دار بارش ہوگئی۔

اللہ کے دوست تخلیقی فارمولوں کے تحت کرامت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مذکورہ کرامت میں بارش کے لئے جو عوامل درکار تھے، باباصاحبؒ نے ان مقداروں پر براہِ راست تصرف کیا۔

آگ، ہوا، مٹی اور پانی بنیادی عناصر ہیں جن کے ردّوبدل سے دیگر تخلیقات وجود میں آتی ہیں۔ یہ چاروں عناصر بذات خود مقداروں سے مرکب ہیں۔ مثال کے طور پر حرارت، آکسیجن، ایندھن اور دوسرے مخصوص اجزا کے ایک جگہ جمع ہونے سے آگ بنتی ہے۔ آگ طبعی طور پر ان گنت کیمیائی تعاملات کا مجموعہ ہے۔ بخارات، دھواں، کوئلا اور راکھ آگ کی ضمنی پیداوار ہیں۔

مشاہدہ ہے کہ اربع عناصر (آگ، ہوا، مٹی اور پانی) حرکت میں رہتے ہیں اور حرکت کا تعلق حرارت سے ہے۔ لکڑی حرارت جذب کرکے ایندھن بنتی ہے، آگ کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ آگ حرارت کی شکل میں پانی میں داخل ہوتی ہے اور بھاپ (بخارات) ظاہر ہوتی ہے جس کو ہوا اوپر لے جاتی ہے۔

مٹی، آگ، ہوا اور پانی باطنی وجود پر قائم ہیں۔ شہنشاہ ہفت اقلیم بابا تاج الدینؒ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بارش سے متعلق عوامل ایک جگہ جمع ہوئے اور لوگوں نے دیکھا کہ بارش ہورہی ہے۔ یہ مظاہر کے باطنی رخ میں تصرف ہے۔

ہر شے کے دو رخ ہیں۔ ایک مادی رخ ہے جسے شعور کسی نہ کسی طرح دیکھتا یا محسوس کرتا ہے۔ دوسرا رخ باطنی ہے جہاں شے روشنیوں میں موجود ہے۔ روشنیاں شے کی اصل ہیں۔

مصنوعی بارش کے لئے کیمیائی مادوں اور مشینوں کی مدد لینا مادی رخ میں تصرف ہے۔ بارش سے متعلق عوامل جن روشنیوں پر قائم ہیں، انہیں براہِ راست متحرک کرنا باطنی رخ میں تصرف ہے۔

انسان زمین پر اللہ کا نائب ہے۔ اللہ نے زمین پر اپنے نائب 'انسان' کے لئے آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب مسخر کیا ہے۔

لکڑیوں پر پانی ڈال کر ہر کوئی بارش نہیں برسا سکتا۔ قحط سالی دور کرنے کے لئے چند لکڑیوں اور ایک لوٹے پانی سے اتنی مقدار میں بخارات پیدا کئے گئے کہ خشک سالی دور ہوگئی۔

یہاں ٹائم اور اسپیس کا قانون بھی اہم ہے۔ بخارات بننا، فضا میں مخصوص بلندی پر پہنچ کر بادل کی صورت میں مرکب ہونا، پھر ہوا کا بادلوں کو نچوڑنا اور نتیجے میں بارش برسنا ــــ کیا غور طلب نہیں؟

اقتباسات

''ماہنامہ قلندر شعور'' کو گلدستہ بنانے کے لئے قارئین کی کوششیں قابل قدر ہیں۔ قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے بھیج کر اس رسالے کا حصہ بن سکتے ہیں۔ تحریر کم وبیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ کونپلیں بڑھ کر پتے کی شکل اختیار کرتی ہیں تو ان کے اندر ایٹموں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے مگر اللہ کی سنت کے مطابق جب کوئی چیز اپنی انتہا کو پہنچتی ہے تو ایٹموں کی تعداد کم ہونا شروع ہو جاتی ہے، پتوں کا رنگ بدلتا جاتا ہے اور یہ افعال سلسلہ وار ہوتے ہیں۔ پتے کا رنگ ہی نہیں بدلتا، وہ سکڑتا بھی ہے۔ یہاں تک کہ سوکھ جاتا ہے اور درخت کی ڈالی پر لگا ہوا نہیں رہ سکتا، الگ ہو کر گر جاتا ہے۔ اور کم زور اور چھوٹا ہوتے ہوتے مائیکرو فلم بن جاتا ہے اور وہ پھر وہی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

(مرسلہ: احمد شاہ، کتاب: قدرت کی اسپیس)

زمین اپنی مخصوص رفتار سے محوری اور طولانی گردش کر رہی ہے۔ اللہ کے نظام کے تحت زمین محوری اور طولانی حرکت میں گردش کر رہی ہے۔ پانی کا بہنا، بخارات بن کر اڑنا، پانی کے شدید ٹکراؤ سے اس کے مالیکیول کا ٹوٹنا اور بجلی کا پیدا ہونا، بجلی کا ماحول کو منور کرنا، حرارت کا وجود میں آنا اور ہر شے کا دوسری شے پر کسی نہ کسی صورت میں اثر انداز ہونا یہ سب ایک مقررہ قاعدہ اور قانون کے تحت ہے۔

(عبدالوہاب۔ پشاور، کتاب: آگہی)

مصنف اشفاق احمد لکھتے ہیں کہ ایک بابا نے زمین سے چھوٹی ٹہنی لی اور فرش پر رگڑ کر کہا، میں تمہیں بندہ بننے کا نسخہ بتاتا ہوں۔ خواہشوں کو اپنے قدموں سے آگے کبھی نکلنے نہ دینا۔ جو مل گیا اس پر شکر کرو۔ جو چھن گیا اس پر افسوس نہ کرو۔ جو مانگے، اس کو دے دو۔ دنیا میں بے سامان آئے تھے، بے سامان جاؤ گے۔ سامان جمع نہ کرو ہجوم سے پرہیز کرو۔ چوروں میں رہو گے تو چور ہو جاؤ گے۔ اور اللہ کو راضی کرو گے تو جگ راضی

ہوجائے گا۔ (مرسلہ: شگفتہ زیب: پشاور)

نم آنکھیں نرم دل ہونے کی نشانی ہیں اور دلوں کو نرم ہی رہنا چاہئے۔ دل سخت ہوجائیں تو پھر ان میں پیار و محبت کا بیج نہیں بویا جاسکتا اور اگر دلوں میں محبت ناپید ہوجائے تو پھر انسان کی سمت بدلنے لگتی ہے۔ محبت وہ طاقت ہے جو انسان کے قدم مضبوطی سے جما دیتی ہے۔ آنسوؤں کے پیچھے ناامیدی اور مایوسی نہیں ہونی چاہئے کیوں کہ ناامیدی ایمان کی کم زوری کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ بھلائی اور اچھے وقت کی آس رکھنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ضروریات کا کفیل ہے اور ضروریات پوری کرتا ہے۔ (مرسلہ: ثوبیہ۔ کراچی، ناول: رستہ بھول نہ جانا)

چیونٹی جس راستے سے گزرتی ہے، اس راستے پر انگلی رکھ دی جائے تو وہ آپ کی انگلی اٹھنے کا انتظار نہیں کرتی۔ وہ انگلی پر چڑھ کر اسے راستہ بنالیتی ہے یا منزل پر جانے کے لئے راستہ بدل لیتی ہے۔ چاہے کچھ ہوجائے وہ سفر جاری رکھتی ہے۔ ناامید لوگوں کو چیونٹی سے سبق سیکھنا چاہئے اور رکاوٹ دیکھ کر ہمت نہیں ہارنی چاہئے۔ راستے اور بھی ہیں۔ منزل پر پہنچنے کے لئے چلتے رہنا شرط ہے۔

(مرسلہ: زبیر آفریدی۔ پشاور)

بندہ کسی ایک نقطے پر اپنی صلاحیتیں مرکوز کرکے غور کرتا ہے تو اس کے اندر اتنی وسعت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ اس نقطے کو جس پر جسم کی تمام صلاحیتیں مرکوز ہوگئی ہیں، پڑھ لیتا ہے۔ پڑھنے سے منشا یہ ہے کہ نقطے کے اندر موجود اوصاف اور نقطے کے اندر موجود خفیہ صلاحیتیں اور صلاحیتوں کے اندر مخفی صلاحیتیں اس کے سامنے آجاتی ہیں۔ جب زیادہ گہرائی میں دیکھتا ہے تو نقطہ اس کو اپنا استعمال بتا دیتا ہے۔ نقطے کے اندر مخفی صلاحیتیں اس بات کا مشاہدہ بن جاتی ہیں کہ پوری پوری کہکشائیں ہمارے ساتھ سفر کر رہی ہیں۔ ہم جان لیتے ہیں کہ دنیا میں موجود ہر شے لہروں پر قائم ہے۔ ہم اور پوری کائنات لہروں کے تانے بانے سے مرکب ہے۔ دنیا کی ہر شے چاہے وہ پانی ہو، درخت ہو، پتھر ہو، انسان ہو، چرند ہو، پرند ہو، انرجی ہو، آکسیجن ہو، ایٹم ہو یا مالیکیول، روشنیوں کے ہالے میں بند ہے یعنی ہر شے کے اوپر روشنی کا غلاف ہے۔ نظر کے سامنے پہلا انکشاف طاقت کا ہوتا ہے۔ مزید گہرائی پیدا ہوتی ہے دوسرا انکشاف اس طاقت کے استعمال کا ہوتا ہے۔ جب اور زیادہ گہرائی میں دیکھتا ہے تو نقطہ اس کو اپنا استعمال بتا دیتا ہے۔

(مرسلہ: شہیر انور، کتاب: صدائے جرس)

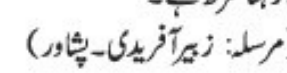

محمد عدنان خان

پورب کے ہم زاد

رنگ و چمن، عروج و زوال، عشق و سرمستی اور فنا و بقا کے رنگوں سے معمور صدیوں پر محیط داستان جس کی مکانیت تبت کی فلک بوس چوٹیوں سے لے کر ٹیکسلا کی سرسبز وادیوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

ردا کا تعلق عرب نژاد پاکستانی خاندان سے تھا۔ پاکستان میں اپنی دوست نیلم کے گھر ذکر و فکر کی محفل میں ردا کی بزرگ سے ملاقات ہوئی جن کی توجہ نے طبیعت میں روحانیت کی طرف میلان پیدا کر دیا۔ والد کے تبادلے کی وجہ سے ردا اور نیلم کے درمیان رابطہ منقطع ہو گیا۔ ردا نے برطانیہ کی ایک یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ یہاں کاربن ڈیٹنگ کے پروفیسر جی آر چوہان کے لئے ردا کی شخصیت معما تھی جسے جاننے میں وہ ناکام رہے۔ یونی ورسٹی کی تعلیم کے بعد جب پی ایچ ڈی آخری مراحل میں تھی تو ردا کے والد کا پھر پاکستان تبادلہ ہو گیا۔ اس نے تھیسز مکمل کرنے کے لئے ٹیکسلا کے آثارِ قدیمہ کا انتخاب کیا جہاں صدیوں پرانی داستان صفحۂ قرطاس پر ظاہر ہونے کے لئے ردا کی منتظر تھی۔ اسے ٹیکسلا میں صدیوں پرانے کشان دورِ حکومت کا شہزادہ ملا جو اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ ردا کو شہزادے سے دور رکھنے کے لئے مکروہ صورت بوڑھا بجرولال سامنے آیا اور پریشانیوں کا آغاز ہوا۔ بزرگ سے ملاقات کر کے وہ سہیلی کے ہمراہ گھر جا رہی تھی کہ راستے میں بجرولال کی وجہ سے حادثہ پیش آ گیا جس میں سہیلی بچ گئی لیکن ردا کوما میں چلی گئی۔ اس دوران ردا کے اندر سے روشنی کا ایک پرت نکلا اور ماضی میں سفر کرتے ہوئے اسے ہزاروں سال پہلے لے گیا۔ اب آگے پڑھئے۔

بزرگ خاتون محل سے 'جوبی' نامی پہاڑ پر بنی عبادت گاہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ وہ بے خوف و خطر درندوں سے پُر جنگلات سے گزر رہی تھیں۔

لچھاوی سفلی عمل کے زور پر ہمارے ساتھ جو کچھ کر چکی تھی، اس سے بال بھی بیکا نہیں ہوا۔ ہمیں اپنی راہ سے ہٹانے کے لئے موقع کی تلاش میں تھی۔

جب شہزادے کی حالت اس پر عیاں ہوئی تو بادشاہ کو بزرگ خاتون سے بدظن کرنے کا سنہری موقع مل گیا اور انتقام کا جوالامکھی* جوش کھانے لگا۔ وہ شہزادے کی محبت کو جنون میں بدلنا چاہتی تھی۔

بزرگ خاتون 'دریائے کالی گنڈاکی' کے کنارے سے سبک رفتاری سے گزر رہی تھیں۔ یہ دریا شمالی

* جوالامکھی (آتش فشاں پہاڑ)

نیپال سے شروع ہوتا ہے اور بھارت میں داخل ہوکر دریائے گنگا میں شامل ہوجاتا ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے اس دریا کی ایک اہمیت یہ ہے کہ یہ دنیا کے سب سے اونچے پہاڑی سلسلے ہمالیہ کو وسط میں سے کاٹ کر گزرتا ہے۔

آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ہوا کے ٹھنڈے جھونکے آہستہ آہستہ تیز ہورہے تھے۔ گویا بادلوں میں کوئی طوفان پنہاں تھا۔ دریا پر لکڑی اور رسیوں کی مدد سے پل بنایا گیا تھا۔ وہ جلد از جلد پل پر سے گزرنا چاہتی تھیں۔

پل عبور کرتے ہی دائیں جانب سے آنے والی کراہنے کی آواز نے قدم روک لئے۔ بیابان جنگل اور طوفان میں کون تکلیف کا شکار ہے—؟

نظروں نے تیزی سے اطراف کا جائزہ لیا۔ دائیں کنارے پر تبت کے آدم خور قبائل سے تعلق رکھنے والے نوجوان کو دیکھا جس کی ایک ٹانگ دریا میں تھی۔ غالباً مگرمچھ کے شکار کے لئے آنکڑے میں پھنس گئی تھی۔ مگرمچھ خاموشی سے اس کی جانب بڑھ رہے تھے جب کہ جنگل کی طرف سے مانیٹر چھپکلی شکار کی طرف پیش قدمی کررہی تھی۔ یہ بڑی چھپکلیاں ہیں جن کا قد سات سے دس فٹ ہے۔

بادلوں کی سیاہی خبر دے رہی تھی کہ دھواں دار بارش کے ساتھ اولے برسیں گے مگر زمین پر شکاری اور شکار موسم کی تبدیلی سے بے پروا تھے۔ ایک کو جان بچانے کی فکر تھی اور باقی دو، شکار کے فرار کے راستے مسدود کرنا چاہتے تھے۔ ایک کو موت سے خطرہ تھا اور دوسروں کو بھوک سے مرنے کا۔

تبت کے آدم خور قبائلیوں کی پہچان یہ تھی کہ ان کے رنگ گہرے گندمی، بال گھنگریالے اور سرخی مائل سنہرے، جسم درمیانے، سر چھوٹے اور پیر بڑے تھے۔ مرغوب غذا انسانی گوشت تھی۔ آدمیوں نے محفوظ رہنے کے لئے ان کو اپنے علاقوں سے بھگایا۔ جیسے جیسے نیپال اور تبت میں آبادی بڑھی، آدم خوروں کی تعداد کم ہوئی اور یہ دو حصوں میں تقسیم ہوگئے۔ ایک حصہ نیپال سے بھوٹان، بھوٹان سے ویتنام، ویتنام سے انڈونیشیا اور پھر پاپوانیوگنی (Papua New Guinea) چلا گیا۔ دوسرا حصہ مخالف سمت میں افغانستان، ایران، عراق اور اردن سے ہو کر مصر میں داخل ہوا، وہاں سے سوڈان گیا اور سوڈان سے کونگو کے ساحلی جنگلات میں داخل ہوا۔ آدم خوروں کا یہ سفر صدیوں پر محیط ہے۔ ان کی آبادی آج بھی کونگو اور پاپوانیوگنی کے ساحلی جنگلات میں ہے۔

آدم خور کی موت یقینی تھی اور اسے بچانا، شکنجے میں آنے کے مترادف تھا۔ مگر جن کی منزل عرفانِ

ذات ہو، جن کا راستہ نفس کشی کی اوگھٹ گھاٹیوں، سنگلاخ چٹانوں، ریگزاروں اور برف پوش صحراؤں سے گزرتا ہو اور جن کی مٹی میں خدمت گُندھی ہوئی ہو، وہ کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے۔

بزرگ خاتون بے خطر آدم خور کی سمت مڑ گئیں۔ جنگلی چھپکلی قریب آ چکی تھی — انہیں دیکھ کر رک گئی۔ مگر مچھوں نے بھی رخ بدل لیا۔ آدم خور کے لئے یہ منظر حیرت انگیز تھا۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب انسان کے لئے مسخر کر دیا ہے۔ تسخیر کا مظاہرہ تھا کہ موذی جانور راستہ بدلنے پر مجبور ہو گئے۔

بزرگ خاتون نے پانی میں کچھ ٹٹولا۔ آدم خور ہکّا بکّا تھا۔ تکلیف بھول کر کبھی جانور اور کبھی خاتون کو دیکھتا جو خود کو خطرے میں ڈال کر اسے بچانے آئی تھیں۔ زوردار آواز کے ساتھ پانی میں سے کوئی چیز باہر آئی اور آدم خور کی ٹانگ آزاد ہو گئی۔ پنڈلی پر گہرے زخم آئے تھے۔ شدید تکلیف کی وجہ سے چلنے سے قاصر تھا۔ بزرگ خاتون نے سہارا دینا چاہا تو اس نے حیرت و تشکر سے دیکھا۔

بزرگ خاتون نہ آتیں تو وہ بوٹی بوٹی ہو جاتا۔ خون کی بو نے جنگلی جانوروں کو بے چین کر دیا تھا۔ کچھ جانور سامنے تھے اور باقی جھاڑیوں میں سے دیکھ رہے تھے۔ کوئی قریب نہیں آیا۔ بزرگ خاتون نے آدم خور کو صاف جگہ پر لٹا کر تھیلے میں سے کپڑا اور دوائیں نکالیں جو شہزادے کے علاج کے لئے ساتھ لے گئی تھیں۔ تیزی سے مرہم پٹی کی۔

روشنی اندھیرے میں ڈھل رہی تھی اور ٹھنڈ بڑھ گئی تھی۔ طوفان سے حفاظت کے لئے محفوظ جگہ تلاش کرنے کی فوری ضرورت تھی۔ مشکل یہ تھی کہ آدم خور سہارے کے بغیر چلنے سے قاصر تھا۔ ایک طرف موسم کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا، دوسری طرف درندے خون کی بو سونگھ کر جمع ہو رہے تھے۔ سہارا دے کر جنگل کے اندر لائیں۔ آدم خور حیران تھا کہ یہ بہادر خاتون کون ہیں جو جانوروں سے بچانے کے لئے اسے جانوروں کے گڑھ میں لے آئی ہیں۔ اس نے قریب پڑی ہوئی درخت کی موٹی شاخ کی طرف اشارہ کیا۔ شاخ اٹھا کر دی جسے اس نے تیزی سے صاف کیا اور شاخ کے سہارے کھڑا ہو گیا۔

اب ان کا رخ پہاڑ کے دامن کی طرف تھا۔

بزرگ خاتون آگے اور آدم خور پیچھے چل رہا تھا۔ علاقہ سرخ ناک، سفیدی مائل، نیلے منہ والے بڑے سائز کے منڈرل ببون (Mandrill Baboon) سے بھرا پڑا تھا۔ یہ بندروں کی ایک نسل ہے۔ اپریل کا مہینہ تھا۔ بچے مادہ ببون کے جسم سے چمٹے ہوئے

تھے۔جنوری سے مارچ ان کی پیدائش کے مہینے ہیں۔ اس دوران بہون کا رویہ اپنی حدود میں آنے والوں کے لئے جارحانہ ہوتا ہے۔

آدم خور خوف زدہ تھا۔ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگیں لگاتے بڑے بڑے بندر اور وہ بھی اتنی بڑی تعداد میں — سب شور مچاتے ہوئے ان کے ساتھ لشکر کی صورت میں درختوں پر آگے بڑھ رہے تھے۔کسی نے قریب آنے یا حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔آدم خور نے سوچا کہ اگر میں ساتھیوں کے ساتھ ہتھیاروں سے لیس ہوتا تو بھی خطرناک بندروں کی حدود میں داخل ہونے کی غلطی نہیں کرتا۔ بزرگ خاتون کی کرامت اور رعب و دبدبہ دیکھ چکا تھا،خاموشی سے ان کے پیچھے چلتا رہا۔

ماحول پر بزرگ خاتون کی شخصیت کا رعب طاری تھا۔ان کے وجود کی بارعب لہروں نے علاقے کا احاطہ کرلیا تھا۔درخت، جانوراور حشرات الارض اپنی حدود میں سمٹ گئے تھے۔جلد ہی وہ دھنسی ہوئی بڑی چٹان کے سائے میں آگئے اور — بارش کی موٹی موٹی بوندوں کے ساتھ ٹینس کی گیند کے برابر اولے برسنا شروع ہوگئے۔لگتا تھا کہ موسم ان کے محفوظ جگہ پہنچنے کا منتظر تھا۔چٹان چھجے کی صورت ابھری ہوئی تھی۔ نیچے بڑی جگہ خالی تھی جہاں وہ طوفانی بارش اور ژالہ باری سے محفوظ تھے۔

آدم خور نے اپنا نام گوزم بتایا۔یہ لوگ پالی اور سنسکرت کے ملاپ سے بننے والی زبان بولتے تھے۔ گوزم کی سوچ اپنے قبیلے سے مختلف تھی۔ وہ مچھلی اور پرندوں کا گوشت کھاتا تھا۔نتیجتاً اسے اکیلے اپنی خوراک کا بندوبست کرنا پڑتا۔

قبیلے کے لوگ اسے ناپسند کرتے تھے کیوں کہ وہ ان کی سرگرمیوں سے دور تھا۔اکیلے رہنے کی وجہ سے خطرات لاحق ہوتے ہیں۔ بالآخر وہ مچھلی کا شکار کرتے ہوئے خود شکار ہوگیا۔

حادثے نے گوزم کو جھنجھوڑ دیا تھا۔ وہ تذبذب کا شکار تھا۔بارش عروج پر تھی۔بزرگ خاتون بڑے پتھر پر آنکھیں بند کئے مجسمے کی مانند ساکت اور پُرسکون بیٹھی تھیں۔ گوزم زمین پر لیٹا ہوا تھا۔زخموں سے اب بھی خون رس رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں بارش کی بوچھاڑ میں سے تین بڑے مینڈرل بہون نمودار ہوئے۔گوزم اچھل پڑا۔ اس سے پہلے کہ وہ عصا اٹھاتا، بندروں کو بزرگ خاتون کی طرف جاتے دیکھا۔کسی نے اس پر توجہ نہیں دی۔ ان کے ہاتھوں میں پتے، شاخیں اور کھوپڑی تھی جس میں بارش کا پانی بھرا ہوا تھا۔ وہ عقیدت سے آگے بڑھ رہے تھے۔

گوزم چوکس تھا کہ اگر بندروں نے اس کی محسن

کو نقصان پہنچایا تو وہ مزاحمت کرے گا لیکن ان کی عقیدت نے اس کے اندر ایسا حوصلہ پیدا کر دیا اور وہ خطرے سے بے نیاز ہو گیا۔ بہن جو سامان لائے تھے، سلیقے سے رکھ کر الٹے قدموں روانہ ہو گئے۔

بزرگ خاتون نے آنکھیں کھولیں، سامان میں سے مخصوص جڑی بوٹیاں علیحدہ کر کے پتھر سے پیسیں اور کھوپڑی میں ڈال کر، کھوپڑی اس کی طرف بڑھائی۔ اس نے غٹاغٹ محلول پی لیا۔ انہوں نے باقی جڑی بوٹیوں سے مرہم بنا کر زخم پر لیپ کر کے پٹی کر دی۔ دواؤں کے اثر سے گوزم کی تکلیف کم ہو گئی تھی اور تھوڑی دیر میں آنکھیں نیند سے بوجھل ہو گئیں۔ بزرگ خاتون ایک مرتبہ پھر مراقبہ کی حالت میں تھیں۔ بارش مزید تیز ہو گئی تھی۔

میں 'جوبی پہاڑ' پر اپنی رہائش گاہ میں بیٹھی سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ دور سے بچے کی آواز سنائی دی۔ پھر کسی نے کندھا تھپتھپایا اور نگاہ منظر سے ہٹ گئی۔ بارش زور و شور سے جاری تھی۔ یہ سلابھا کا ہاتھ تھا۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ تھر تھراہٹ میں ٹھنڈ سے زیادہ خوف کا عنصر تھا۔ عصا پر رہنے والا سفید سانپ 'سرپ پندورا' تیزی سے چاروں طرف رینگ رہا تھا۔ غیر معمولی پھنکار بتا رہی تھی کہ گڑبڑ ہے۔

'سرپ پندورا' وہی سانپ ہے جسے سانپوں کی بستی میں 'شاہ سرپ ککولا' نے مجھے یہ کہتے ہوئے دیا تھا کہ بی بی! آج سے روئے زمین پر رہنے والے تمام سانپ آپ کے مطیع ہیں۔ ان میں 'سرپ پندورا' آپ کا خادمِ خاص ہے۔

میں نے پوچھا، کیا بات ہے سلابھا کیا ہوا؟

بی بی جی! کمرے میں سانپ آ گئے ہیں اور میری ماں کو ڈس لیا ہے۔ میں نے ہاتھ عصا کی جانب بڑھایا۔ عصا میں برقی لہروں کے ارتعاش میں تیزی تھی جو حالات کی سنگینی کا اشارہ تھا۔

تیزی سے باہر آئی — ہیبت ناک منظر سامنے تھا۔ بارش کے ساتھ سانپوں کی برسات تھی۔ سرپ پندورا آگے اور میں پیچھے تھی۔ سانپ تیزی سے دائیں بائیں ہو کر ہمارے لئے راستہ چھوڑ رہے تھے۔ کچھ حملہ آور ہوئے مگر ڈس نہ سکے اور گر گئے۔ میں بھیگتی ہوئی تیزی سے کمرے تک پہنچی۔ دروازہ کھلا تھا۔ اندر دسیوں سانپ رینگ رہے تھے۔ سلابھا کی ماں موریا بے سدھ پڑی تھی۔ ہونٹ نیلے ہو گئے تھے اور جسم پر ڈسنے کے نشانات تھے۔

کلائی پر موجود منکے میں حرارت محسوس ہوئی۔ تیزی سے موریا کی جانب بڑھی اور منکا اس کی ناف پر رکھ دیا۔ 'سرپ پندورا' کی غضب ناک پھنکار سے سانپ خوف زدہ ہو کر کمرے سے بھاگنے لگے۔

ایک طرف منکا زرد ہو رہا تھا دوسری جانب موریا

کے ہونٹوں پر نیلاہٹ کم ہو رہی تھی یعنی وہ زندہ تھی اور زہر کا اثر تیزی سے زائل ہو رہا تھا۔ مجھے آیوشی اور بھرگوی کا خیال آیا۔ ان کی طرف سے خاموشی تھی۔ 'سرپ پندورا' کو کمرے میں چھوڑ کر باہر آئی۔

بارش کے ساتھ مچھلیوں اور مینڈکوں کے بارے میں سنا تھا مگر سانپ ــــ؟ واضح تھا کہ یہ استدراجی حملہ ہے۔ آیوشی اور بھرگوی کے کمرے کی طرف بڑھی کہ سانبھر کے کمرے میں ہلچل محسوس ہوئی۔ وہ دروازے پر ٹکریں مار رہا تھا۔ دروازہ کھلا ــــ یہاں بھی سانپ موجود تھے۔

آیوشی اور بھرگوی کا کمرا بند تھا۔ لگتا تھا کہ انہوں نے اپنی حفاظت کا انتظام کرلیا ہے اس لئے مطمئن ہیں۔ میں واپس آگئی۔

موریا کے کمرے کے اطراف سانپوں کی تعداد زیادہ تھی۔ برسنے والے سانپ عام سانپوں سے مختلف تھے۔ سلابھا ماں کے تلوے سہلا رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی دوڑ کر لپٹ گئی۔

بی بی جی! میری اماں ٹھیک ہو جائیں گی نا؟

انشاءاللہ ــــ کہہ کر اس کے گال تھپتھپائے۔ اس نے لفظ 'انشاءاللہ' پر نا سمجھنے والے انداز میں میری طرف دیکھا۔ میں نے کہا کہ اگر اللہ نے چاہا تو تمہاری امی ہوش میں آجائیں گی۔ اللہ سے دعا کرو۔

اس نے سر ہلایا اور ماں کے پاس بیٹھ کر ہاتھ دعا

> دنیا میں سانپوں کی تین ہزار سے زائد اقسام بتائی جاتی ہیں۔ انٹارکٹیکا کے سوا یہ تمام براعظموں میں پائے جاتے ہیں۔ سب سے تیز رفتار سانپ بلیک مامبا ہے جو ایک گھنٹے میں 20 کلومیٹر کا فاصلہ طے کرسکتا ہے۔ یہ افریقا میں ہوتا ہے اور کوبرا کے بعد دوسرا انتہائی زہریلا اور خطرناک سانپ ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ لمبائی 14 فٹ تک ہے۔

کے لئے اٹھا دیئے۔

موریا کے جسم سے زہر منکے میں جذب ہو گیا تھا۔ منکے کا رنگ بتا رہا تھا کہ سانپ کس قدر زہریلے تھے۔ حالت خطرے سے باہر تھی۔ اب وہ نیند کی کیفیت میں تھی۔ میں نے منکے میں سے زہر نکالا اور پانی سے اچھی طرح صاف کر کے واپس کلائی پر منتقل کر دیا۔

سانبھر کی بے چینی جوں کی توں تھی۔ وہ میرے ساتھ ساتھ پھر رہا تھا اور چاہتا تھا کہ اس پر سوار ہو جاؤں۔ یہ اشارہ تھا کہ بزرگ خاتون مجھ سے ملنا چاہتی ہیں۔ خود مجھے تواتر کے ساتھ ان کی طرف سے خیالات موصول ہو رہے تھے جیسے وہ کچھ کہہ رہی ہوں مگر میرا دماغ سننے اور سمجھنے سے قاصر تھا۔ میں نے سب کو مرکزی حجرے میں منتقل کیا اور بابا جی کے بتائے ہوئے طریقے پر حصار باندھ کر بزرگ خاتون کی طرف روانہ ہو گئی۔ (قسط: ۱۳)

ادارہ

اولی الالباب بچے

اللہ تعالیٰ چھپا ہوا خزانہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مخلوق مجھے پہچانے تو محبت سے مخلوق کو تخلیق کیا اور کائنات بنائی۔ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے وہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے واقف ہونے کی نشانیاں ہیں۔ جو چھوٹے اور بڑے بچے غور و فکر کرتے ہیں وہ اولی الالباب (عقل و دانش والے) کہلاتے ہیں۔ بچو! ذہن استعمال کریں، سوچیں اور جو جواب ذہن میں آئے، ہمیں بھیج دیں۔ ہمارا پتہ ہے: بچوں کا قلندر شعور، عظیمی محلّہ، سرجانی ٹاؤن، کراچی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

بچوں نے واقعہ پڑھا کہ ایک بار نانا تاج الدینؒ کی نظریں پتّوں پر جمی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر بعد پتّوں میں ہاتھ پیر اور شکل و صورت ظاہر ہوئی اور وہ چلنے لگے۔ بچوں نے سوچا، کیوں نہ ہم بھی تجربہ کریں۔

بچے صحن میں درخت کے سامنے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے اور زمین پر گرے ہوئے تین پتّوں پر نظر جما دی۔ ذہن یکسو ہوتے ہی وہ ماحول سے بے خبر ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ پتّوں میں حرکت ہوئی ہے۔ تھوڑی دیر بعد دو ہاتھ اور دو پیر ظاہر ہوئے۔ دور سے دیکھنے والے کو معلوم ہوتا کہ ہوا کی وجہ سے پتّے ہل رہے ہیں۔ پھر وہ چلنے لگے اور چلتے چلتے تنے پر چڑھ گئے۔ ایک پتّا ٹہنیوں اور شاخوں پر چلتا ہوا درخت میں غائب ہو گیا۔ باقی دونوں پتّے شاخ پر لٹک گئے اور جھولا جھولنے لگے۔

بچو! پتّوں کو پانچ منٹ غور سے دیکھیں ــــ توجہ قائم ہو جائے تو نظر آئے گا کہ پتّے حرکت کرتے ہیں اور ہماری طرح ان کے اندر رگوں کا جال ہے، ہاتھ پیر ہیں اور وہ سنتے دیکھتے ہیں۔ جو نظر آئے، لکھ کر ہمیں بھیج دیں۔ آپ سب کو نانا تاج الدینؒ کا عرس مبارک ہو۔ اللہ حافظ!

س: مئی جون 2020ء کے شمارے میں سیب بنانے کی مشق کے ساتھ سوالات دیئے گئے تھے۔

★ کیا تمام تصویریں ایک جیسی ہیں؟ ★ سیب ایک ہے، اس کی تصویریں الگ کیوں ہیں؟ ★ کاغذ پر سیب آپ نے بنایا ــــ تصور میں سیب کس نے بنایا؟ ★ تصور میں جو سیب نظر آیا ــــ کیا یہ وہی ہے جو کاغذ پر بنا ہے؟ بچوں نے غور کیا اور درج ذیل جوابات بھیجے ہیں۔

◇ **یسریٰ خالد (کراچی):** سیب کی تصویر بناتے ہوئے میں نے دیکھا کہ سیب سانس لے رہا ہے۔ پھر اگلے روز اس کا رنگ تبدیل ہونے لگا۔ اماں نے بتایا کہ سیب بھی ہماری طرح مخلوق ہے۔ وہ سانس لیتا ہے، بچے کی طرح بڑا ہوتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ غائب ہو جاتا ہے۔

◇ **نورالعین، رقیہ، دمن (پشاور):** سب کی بنائی ہوئی تصویریں ایک نہیں ہیں کیوں کہ سب نے اپنے ذہن کے مطابق تصویر بنائی ہے۔ کاغذ پر تصویر میں نے بنائی۔ تصور میں تصویر اللہ نے بنائی۔

◇ **عارف، محمد ریان، عبداللہ انجم، نور عجم، عبدالرحمٰن (فیصل آباد):** جو سیب تصور میں تھا، وہی کاغذ پر بنا۔

◇ **جویریہ تنویر، جماعت ہشتم (اسلام آباد):** تصویر بنانے کے دوران جب تصور میں تصویر کو دیکھتا تھا تو کاغذ سے توجہ ہٹ جاتی اور تصور میں نظر آتی۔ کاغذ پر دھیان دیا تو تصور میں تصویر غائب ہوگئی۔ میں نے ایک ساتھ دونوں جگہ دیکھنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔

◇ **ہاشم عبداللہ، جماعت پنجم (کراچی):** تصور میں سیب ارادہ کرنے سے بنا۔

◇ **راحت منیر (راولپنڈی):** اللہ تعالیٰ نے ہمارے تصور میں سیب کی تصویر منتقل کی۔ ہم نے اس تصویر کو دیکھ کر کاغذ پر تصویر بنائی۔ اگر سیب کی تصویر ذہن میں نہ بنے تو ہم سیب کا علم حاصل نہیں کر سکتے۔

◇ **اریبہ (فیصل آباد):** اللہ نے ذہن اس طرح بنایا ہے کہ جس چیز کو دیکھتے ہیں وہ ہمارے ذہن میں محفوظ ہو جاتی ہے۔ کوئی آم کو سیب کہے تو ذہن راہ نمائی کرتا ہے کہ سیب نہیں، آم ہے۔

◇ **ثوبان، شازیہ۔ جماعت چہارم (ملتان):** سیب ایک ہے اور تصویریں الگ ہیں۔ اس لئے ہماری بنائی ہوئی تصویریں بھی الگ الگ ہیں۔

****

ایک وقت میں ـــ دو جگہ

بچو! کبھی ایسا ہوا ہے کہ اسکول سے غیر حاضری کے دوران آپ کی حاضری لگتی رہی ہو ـــ؟ آپ گھر میں بیٹھے ہیں مگر اس وقت دوست اسکول میں آپ کے ساتھ کھیل رہے ہیں ـــ؟ یعنی آپ کے دو جسم ایک ہی وقت میں دو مختلف جگہوں پر حرکت کر رہے ہیں۔

بات حیران کرنے والی ہے۔ غور کیا جائے تو ایسا روز ہوتا ہے۔ آپ بستر پر سو رہے ہیں اور اندر سے آپ خود نکل کر دنیا کی سیر کرتے ہیں۔ کبھی خود کو خانہ کعبہ میں طواف کرتا دیکھتے ہیں۔ کبھی روضۂ رسولؐ پر سلام پیش کر رہے ہیں۔ کبھی آسمانوں کی سیر کرتے ہیں۔ کبھی زمین کی پرتوں میں داخل ہوتے ہیں۔ کبھی ہوا میں اڑتے ہیں اور کبھی مچھلیوں کے ساتھ سمندر میں تیرتے ہیں۔

یہ ایسا کردار یا عمل ہے جو کم و بیش ہر شخص کے ساتھ پیش آتا ہے۔ خواب میں خود کو کھانا کھاتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ کھانے کے لئے بہترین غذا موجود ہے ـــ نیند سے بیدار ہونے پر یاد ہوتا ہے کہ ہم نے بہترین کھانا کھایا ہے۔ بیدار ہونے کے بعد جب کھانے کا خیال آتا ہے تو غیر ارادی طور پر ہاتھ ناک کی طرف جاتا ہے، پلاؤ کی خوش بو محسوس ہوتی ہے۔ نہ صرف خواب دیکھنے والے کو محسوس ہوتی ہے بلکہ ساتھ بیٹھنے والا آدمی بھی تجربہ کرتا ہے تو اسے آپ کے ہاتھ سے پلاؤ کی خوش بو آتی ہے۔ اس کا تجربہ زندگی میں ایک یا زائد مرتبہ ضرور ہوتا ہے۔ سوچئے، آپ کو زندگی میں ایسا کوئی خواب نظر آیا جس کا ذکر آپ نے بیدار ہونے کے بعد کیا۔

نانا تاج الدینؒ اللہ کے دوست ہیں۔ اللہ کے دوستوں سے ایسے واقعات پیش آتے ہیں جو عام بندے کی سمجھ میں نہیں آتے۔

مدراس میں رہنے والے ایک عقیدت مند کی کہانی پڑھئے جنہوں نے نانا تاج الدینؒ سے ملاقات کے لئے دفتر سے چار دن کی چھٹی لی۔

ملاقات کے بعد جانے کی اجازت طلب کی تو نانا

صاحبؒ نے اجازت نہیں دی۔ ایک ہفتے بعد پھر اجازت چاہی تو انہوں نے جواب نہیں دیا۔

بالآخر ایک مہینے بعد گھر جانے کی اجازت ملی۔

وہ گھر اور دفتر میں اطلاع نہیں دے سکے۔ راستہ اس خیال میں گزرا کہ گھر والے پریشان ہوں گے اور دفتر سے طویل غیر حاضری پر نوکری جاسکتی ہے۔

اللہ اللہ کرتے گھر پہنچے تو حیرت میں آ گئے۔ گھر میں کسی نے ایک ماہ تک غیر حاضری کا ذکر نہیں کیا۔

نہا دھو کر سفر کی تکان اتری تو بیگم سے پوچھا کہ دفتر سے میرا کوئی پوچھنے آیا تھا؟ سوال سن کر بیوی کو حیرت ہوئی اور کہا، کوئی نہیں آیا لیکن آپ پریشان کیوں ہیں؟ انہوں نے ساری بات بتادی۔

بیوی بولی، کیسی باتیں کر رہے ہیں؟

وہ صاحب مزید شش و پنج میں مبتلا ہو گئے کہ بیوی میرا یقین کیوں نہیں کر رہی۔

دفتر پہنچے۔ ہر شخص معمول کے مطابق ملا۔ کسی نے نہیں پوچھا کہ اتنا عرصہ کہاں تھے۔

وہ صاحب سوچ میں پڑ گئے۔ آنکھیں بند کر کے نانا تاج الدینؒ کا تصور کیا اور عرض کیا، حضور! یہ کیا معاملہ ہے؟ کسی نے غیر حاضری کا نہیں پوچھا۔

اس دوران چپراسی پیغام لایا کہ بڑے صاحب وہ فائل مانگ رہے ہیں جو کل آپ کو دی تھی۔

وہ میز پر رکھی فائل لے کر گئے اور اپنی پریشانی کا تذکرہ کیا کہ میں ایک مہینہ نانا تاج الدینؒ کے پاس رہ کر آیا ہوں لیکن عجیب معاملہ ہے — گھر والے پریشان ہیں نہ میری غیر حاضری پر دفتر میں کسی کو شکایت ہے۔ چپراسی کہتا ہے کہ آپ نے مجھے یہ فائل دی تھی لیکن میں پورے ہوش حواس کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں کل دفتر نہیں آیا۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے میری سمجھ سے باہر ہے۔

افسر نے حیرت سے کہا، آپ تو چار دن کی چھٹی کے بعد دفتر آ گئے تھے اور سارے کام احسن طریقے سے انجام دیتے رہے ہیں۔

معلوم ہوا چھٹیوں کے دوران وہ صاحب ایک ہی وقت میں شکر درہ اور مدراس دونوں جگہ موجود تھے۔ نہ صرف موجود تھے بلکہ اپنی ذمہ داریاں بھی پوری کیں۔ لوگ حیرت کی تصویر بن گئے۔

بچو! کرامت میں بچوں اور بڑوں کے اندر موجود صلاحیت کا اظہار ہے۔ اگر آپ ایک وقت میں دو جگہ موجود ہونا چاہتے ہیں تو اس کرامت پر غور کریں اور جو خیال آئے، ہمیں لکھ کر بھیج دیں۔

پھر کیا ہوتا ہے؟

دنیا میں دو مقامات ایسے ہیں جو ایک دوسرے سے دور مختلف خطوں میں ہیں لیکن ان کا نام ایک ہے اور وہ ہے جارجیا۔

ایک جارجیا امریکا کی ریاست ہے۔

دوسرا جارجیا — یوریشیائی خطے میں ایک ملک ہے۔ یہ مغربی ایشیا اور مشرقی یورپ کے درمیان میں واقع ہے۔ یہ لوک کہانی یوریشیا خطے کے ملک جارجیا میں بچوں کو سنائی جاتی ہے۔

ایک بادشاہ با اخلاق اور اصول پسند تھا۔ ملک میں خوش حالی تھی۔ ہر خاص و عام کو یکساں یعنی ایک جیسے حقوق حاصل تھے۔

بادشاہ نے خواب دیکھا — خواب گاہ کی چھت کے درمیان میں لومڑی دم سے بندھی لٹک رہی ہے۔ آنکھ کھلی تو سمجھ میں نہیں آیا کہ خواب کی تعبیر کیا ہے۔ ایسا خواب پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ محل میں ذکر کیا لیکن تعبیر کوئی نہیں بتا سکا۔

بادشاہ کو یقین تھا کہ خواب میں کوئی ایسی بات ہے جس کا جاننا ضروری ہے۔ اعلان کروایا کہ تعبیر بتانے والے کو انعام دیا جائے گا۔

اگلے روز محل میں لوگ جمع ہوئے۔ ان میں سے کوئی خواب کا علم نہیں جانتا تھا۔ سب انعام کے لالچ میں آئے تھے۔

سلطنت کے دور دراز گاؤں میں کسان رہتا تھا جس کے مالی حالات خراب تھے۔ اس نے سوچا کہ طبع آزمائی کرنی چاہئے۔ کیا معلوم میری بتائی ہوئی تعبیر سچ ہو جائے۔

سرسوں کا ساگ اور مکئی کی روٹی لے کر گھر سے نکلا۔ راستے میں پہاڑ پر سے گزرنا تھا۔ پہاڑ پر جھونپڑی میں بزرگ رہتے تھے۔ لوگ ان کے آستانے پر ماورائی علوم حاصل کرنے آتے اور چلے جاتے تھے۔ رکنے کی اجازت کسی کو نہیں تھی۔

راستہ مشکل ہونے کی وجہ سے کم لوگ پہاڑی راستے کا انتخاب کرتے۔ پہاڑ کے قریب دریا تھا۔ لوگ یہاں سے کشتی کے ذریعے گزرتے تھے۔ پہاڑی راستہ کٹھن اور طویل تھا۔ کسان کے پاس کشتی سے سفر کے لئے پیسے نہیں تھے، اس نے

پہاڑی راستے کا انتخاب کیا۔

چلتے چلتے ایک مقام پر بزرگ آلتی پالتی نشست میں نظر آئے۔ کسان نے قریب جا کر سلام کیا اور بتایا کہ آپ کے بارے میں بہت سنا ہے۔

بزرگ مسکرائے اور فرمایا، جب ملاقات کا وقت لکھا ہوتا ہے، ملاقات ہوجاتی ہے۔ کہو کیا بات ہے، اس طرف کیسے آنا ہوا؟

کسان نے بتایا کہ خواب کی تعبیر بتانے محل جارہا ہوں۔ اگر تعبیر درست ہوجائے تو انعام ملنے سے حالات اچھے ہوجائیں گے۔

بزرگ نے فرمایا، تعبیر میں بتاتا ہوں لیکن وعدہ کرو کہ انعام میں آدھا حصہ میرا ہوگا۔

کسان نے وعدہ کر کے تعبیر معلوم کی اور چلا گیا۔

دربار میں پہنچا۔ خواب کی تعبیر بتائی کہ آپ کی حکومت میں بددیانتی اور رشوت عام ہے۔ دھوکا دے کر مال کی خرید وفروخت برا عمل ہے۔ خواب میں نشان دہی کی گئی ہے کہ بددیانتی اور رشوت کی روک تھام کے لئے کچھ کریں۔

بادشاہ خوش ہوگیا کہ سلطنت میں تعبیر بتانے والے لوگ موجود ہیں۔ اس نے کہا، پہلا شخص آیا ہے جس نے معقول بات کی ہے۔ کسان کو انعام دے کر رخصت کیا۔

کسان خوشی خوشی گھر روانہ ہوا۔ انعام ملنے سے نیت میں کھوٹ آگیا۔ پہاڑی راستے سے جانے کا فیصلہ ترک کر کے کشتی کے ذریعے سفر کیا اور گھر پہنچا۔ اس کے دن بدل گئے۔

کچھ عرصے بعد بادشاہ نے ایک اور خواب دیکھا کہ جس کمرے میں وہ سو رہا ہے اس کی چھت پر تلوار لٹکی ہوئی ہے۔

تعبیر کے لئے کسان کو پیغام بھجوایا۔

کسان گھبرا گیا کہ اب کیا کرے۔

ناچار پہاڑ کا رخ کیا۔

اوپر پہنچ کر بزرگ کے آستانے کے باہر بیٹھ گیا۔

بزرگ کافی دیر تک جھونپڑی سے نہیں نکلے۔

کسان نے بلند آواز سے سلام کیا اور کہا، حضور! میں ہفتوں آستانے کے باہر بیٹھ کر آپ کا انتظار کرسکتا ہوں لیکن بادشاہ میرا انتظار نہیں کرے گا۔ مدد کی درخواست لے کر آیا ہوں، راہ نمائی کریں۔ پچھلے عمل پر شرمندہ ہوں۔ وعدہ کرتا ہوں اس بار جو انعام ملے گا سارا آپ کو دے دوں گا۔

کسان کی بات سن کر بزرگ کے چہرے پر گہری مسکراہٹ آگئی۔ وہ باہر آئے اور تعبیر بتائی۔

کسان نے تعبیر بادشاہ کو بتائی — دشمن اندر اور باہر تیار بیٹھے ہیں۔ بادشاہ کو چاہئے کہ فوج کو حملے کے لئے تیاری کا حکم دے۔

بادشاہ نے انعام دے کر رخصت کیا۔ کسان ایک بار پھر پہاڑی راستے سے گزرنے کے بجائے دوسرے راستے سے کشتی میں گاؤں پہنچا۔

تیسری بار بادشاہ نے خواب دیکھا — کمرے کی چھت پر ذبح کیا ہوا دنبہ لٹک رہا ہے۔

صبح کسان کو پھر دربار پہنچنے کا پیغام ملا۔

وہ بہت گھبرایا کہ کس منہ سے بزرگ کے پاس جائے لیکن دوسرا راستہ نہیں تھا۔

شرمندہ شرمندہ پہاڑ کا رخ کیا۔ بزرگ آستانے میں موجود نہیں تھے۔ زور زور سے پکارنے لگا، بابا جی! مجھے معاف کردیں۔ دل میں لالچ آ گیا تھا۔ آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ میری مدد کریں ورنہ بادشاہ مجھے دنبے کی طرح چھت سے لٹکا دے گا۔

حلق خشک ہو گیا تو بزرگ نظر آئے جو فاصلے پر موجود درخت سے پشت لگائے بیٹھے تھے۔

قریب جا کر کوتاہیوں پر معافی مانگی اور کہا کہ اس بار وعدہ پورا کروں گا۔

بزرگ نے تعبیر بتائی — سلطنت میں امن و امان کا دور دورہ ہوگا۔ لوگ پیار و محبت سے پیش آئیں گے اور قول کی پاسداری کریں گے۔

تعبیر سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور کسان کو پہلے سے زیادہ تحائف دیئے۔

اس بار کسان نے سیدھا پہاڑ کا رخ کیا۔ پورا راستہ یہی سوچتا رہا کہ میں نے بزرگ سے فائدہ حاصل کر کے ہر دفعہ وعدہ خلافی کی لیکن انہوں نے مجھ سے کبھی انعام میں اپنے حق کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ ہر دفعہ شفقت سے پیش آئے۔

حاضر ہوا اور عرض کیا — حضور! قبول فرمائیں۔

بزرگ نے ایک اشرفی اٹھائی اور مٹی پر رکھ دی، اشرفی مٹی میں تبدیل ہو گئی۔

کسان بہت حیران ہوا۔ پوچھنا چاہتا تھا کہ یہ سب کیسے ہوا لیکن پوچھ نہ سکا اور گزارش کی، مجھے معاف کردیں۔ معلوم نہیں میں نے ایسا کیوں کیا۔ میرے ماں باپ نے ہمیشہ محنت کی تلقین کی اور دوسروں کی مدد کرنا سکھایا مگر انعام ملنے کے بعد میری نیت بدل گئی۔ صرف اپنے بارے میں سوچا، کسی کی مدد نہیں کی۔ اس کے باوجود آپ نے مجھ پر شفقت فرمائی۔

بزرگ نے فرمایا، بیٹا! جو جہاں رہتا ہے، ماحول کے رنگ میں رنگ جاتا ہے اور کم زور آدمی اپنی تربیت بھول کر دوسروں کا اثر قبول کر لیتا ہے۔

جب تم پہلی مرتبہ میرے پاس آئے تھے تو ملک میں جھوٹ، وعدہ خلافی اور بد دیانتی کا دور تھا۔ تم اس قوم کے فرد ہو اور تم پر بھی رنگ چڑھا۔ اس لئے تم نے وعدہ خلافی کی۔

دوسری مرتبہ خواب کی تعبیر کے لئے میرے پاس آئے تو ملک میں نفسا نفسی بڑھ گئی تھی۔ تم نے معافی مانگنے کے باوجود غلط روش قائم رکھی اور ایک بار پھر وعدہ خلافی کر کے راستہ بدل لیا۔

اب ملک میں امن و امان ہے، لوگ پیار و محبت سے رہتے ہیں اور اپنے قول کی پاسداری کرتے ہیں، تم نے بھی یہی کیا۔ جاؤ، مجھے اس دولت کی ضرورت نہیں۔ صرف تمہیں سبق پڑھانا چاہتا تھا کہ حالات جیسے بھی ہوں، بندے کو اپنی فطرت پر قائم رہنا چاہئے۔ فطرت میں دھوکا نہیں، صداقت ہے۔ فطرت میں جھوٹ نہیں، سچ ہے۔ نفسا نفسی کے بجائے امن، ہمدردی اور محبت ہے۔

کسان نے پوچھا، بابا جی! کیا میں آپ کے پاس رہ سکتا ہوں—؟ بزرگ نے فرمایا، ہفتے میں ایک بار آجایا کرو۔

اس طرح کسان بابا جی کا شاگرد بن گیا۔

بابا جی اسے جو تعلیم دیتے، وہ اپنے گاؤں جا کر لوگوں کو بتاتا تھا۔ علم ایک شخص سے دوسرے شخص کو منتقل ہوا، گاؤں سے گاؤں اور شہر در شہر پھیل گیا۔

پیارے بچو! کہانی غور سے پڑھیں۔ آپ کیا سمجھے—؟ ایک کاغذ پر لکھ کر ادارہ ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو بھیج دیں— دیکھئے، پھر کیا ہوتا ہے۔

Circle of Life

I understood that our skin is a physical body and *'rooh'* is a natural body. Examples: A car will not start without the energy of petrol. Physical body cannot breathe until *rooh* breathes. Physical body cannot eat until *rooh* gives permission. *Rooh* is our natural body that we are not looking at, and the body which we are looking at is a physical body. — Aina Azeemi, Class 5

خواب تعبیر اور مشورہ

سعید بچے

محمد باسط اشفاق، پھالیہ۔ الحمدللہ — اللہ تعالیٰ کی رحمت اور درود شریف کی برکت سے مجھ عاجز گناہ گار بندے کو رحمۃ للعالمینؐ کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور پاکؐ نے میرے بچوں کے سر پر دستِ شفقت رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی خوشی عنایت فرمائی ہے کہ جتنا شکر ادا کروں — کم ہے۔

تعبیر: الحمدللہ، آپ خواب میں محبوب خدا رسول پاکؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ بہت مبارک ہو۔ حضور پاکؐ نے بچوں پر شفقت فرمائی۔ انشاءاللہ بچے سعید ہوں گے۔ آپ کو بہت مبارک ہو۔

بابا تاج الدین ناگپوریؒ

تحریم صدیقی، گلبرگ۔ نماز فجر کے بعد درود شریف کا ورد کرتے ہوئے نیند آ گئی۔ شجرہ نظر آیا جس میں تیسرا نام شہنشاہ ہفت اقلیم بابا تاج الدین ناگپوریؒ کا ہے۔ آواز آئی، نانا تاج الدین ناگپوریؒ جیسی ہستی ساڑھے تین ہزار سال میں پیدا ہوتی ہے۔ ساڑھے تین ہزار سال نمبروں میں بھی لکھا ہوا تھا۔

تعبیر: سلسلہ عظیمیہ کے سرپرست ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کے نانا کی زیارت کا مطلب یہ ہے کہ انشاء اللہ آپ کو فیض حاصل ہوگا۔ سلسلہ کے قواعد وضوابط پر زیادہ سے زیادہ عمل کریں۔

سلسلہ کے کام

جمال کھوکھر، فیصل آباد۔ گھر کے ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر بزرگ تشریف فرما ہیں۔ مجھے پاس بٹھا کر فرمایا، انگریزی سیکھو، سلسلہ کی تعلیمات کے فروغ میں آسانی ہوگی۔ منظر بدلا اور دو افراد کو بازار میں سلسلہ عظیمیہ کا انگریزی اسٹال لگائے دیکھا۔ اس کے بعد خود کو بہت خوب صورت دروازے کے سامنے کھڑا ہوا دیکھا۔ دو بزرگ اور ان میں سے ایک کے صاحبزادے باہر تشریف لائے۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ ہم سیر کے لئے جا رہے ہیں۔ کسی نے مجھ سے کہا کہ منرل واٹر کی بوتلیں لے کر بزرگوں کے ساتھ جاؤ کیوں کہ راستے میں پانی کی طلب ہوگی، اس وقت پیش کر دینا۔ پھر ایک بزرگ نے ڈبل روٹی کا چورا اپنے ہاتھ سے دو چیزوں میں ملا کر میری طرف بڑھایا کہ کھالو۔

تعبیر: خوابوں کی تعبیر یہ ہے کہ آپ سلسلہ عظیمیہ

کے مشن میں دوبارہ مصروف عمل ہو جائیں۔ الحمدللہ! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت اور حضور قلندر بابا اولیاؒ کی نسبت سے ان غلطیوں پر پردہ آ گیا ہے جو آپ سے ہوئیں۔ نہایت مبارک تعبیر ہے۔ سلسلہ کے کاموں میں دلچسپی لیں اور مشن پھیلانے کے لئے محتاط طریقے سے خدمت کریں۔ اماں کو اور سب بہن بھائیوں کو سلام۔ بچوں اور بیگم کو دعا۔

آپ کو مبارک ہو۔

کمرے میں بزرگ

حوریہ بنت بلقیس بانو، ملیر کراچی۔ امی اور بھتیجی کے ساتھ کمرے میں موجود ہوں۔ ہم ٹافیاں کھا رہے ہیں۔ بہنوئی آئے اور مجھ سے سپاری مانگی جسے لینے کے لئے اپنے کمرے میں گئی تو بجلی چلی گئی۔ اندھیرے میں ایک بزرگ نظر آئے۔ میں امی کے پاس جا کر لیٹ گئی اور بزرگ کے بارے میں بتایا تو امی نے کہا وہ مرشد کریم ہیں۔

تعبیر: اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کریں۔ آپ کے اندر روحانیت سیکھنے کی صلاحیت ہے۔ مراقبہ کریں انشاءاللہ کامیابی ہوگی۔ قرآن کریم روزانہ ایک یا دو رکوع ترجمے کے ساتھ پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابی عطا فرمائے، آمین۔

کامیابی کی خبر

دُرِ شہوار، کورنگی۔ یاحی یاقیوم کے چلّے کے آخری دنوں میں خواب دیکھا کہ امی کے گھر میں ڈرائنگ روم میں کھڑی ہوں۔ میرے چاروں طرف پھوار پڑنے لگی۔ پھوار ایسی تھی جیسے کھڑکیوں سے اندر آ رہی ہو۔ وجود میں ٹھنڈک سرایت کر گئی۔

تعبیر: الحمدللہ خواب وظیفے کی برکتوں کا مظہر ہے۔ رات کو سونے سے پہلے پاک صاف کپڑے پہن کر پسندیدہ خوش بو لگائیں اور ایک کونے میں بیٹھ کر درود شریف پڑھیں۔ دن میں چلتے پھرتے وضو بے وضو یاحی یاقیوم کا ورد کریں۔ سلام میں پہل کریں۔

روضۂ مبارکؐ کا تصور

رع، ناظم آباد۔ ایک بزرگ اپنے آفس میں کچھ لوگوں سے گفتگو فرما رہے ہیں جو نظر نہیں آئے، مجھے حیرت ہوئی۔ شیلف میں رکھی فائلوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ میرا سرمایہ ہے۔ دوسری طرف رکھی فائلوں کو دیکھ کر فرماتے ہیں، یہ اور ہیں۔ وہاں کچھ افراد نے سفید کپڑے پہنے ہیں۔ بزرگ فرماتے ہیں چلو بھئی باہر بیٹھتے ہیں۔ ہم باہر قطار میں بیٹھ گئے۔ بہن کے مشورے پر میں سب سے آگے بیٹھی۔ آسمان گہرا نیلا تھا، ستارے چمک رہے تھے۔ بزرگ ہمیں کچھ پڑھا رہے تھے۔ پورے خواب میں حیران رہی۔

تعبیر: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بتایا گیا ہے کہ روحانی علوم سیکھنے کے لئے آپ میں صلاحیت ہے۔ اللہ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ نماز روزے کی

طرف مزید متوجہ ہوں اور رات کو سونے سے پہلے 10 منٹ تک مراقبہ کریں ۔ مراقبہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضۂ مبارکؐ کا تصور کریں ۔ بات کئے بغیر اسی تصور میں سو جائیں ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابی عطا فرمائے، آمین ۔

اللہ مجھے دیکھ رہا ہے

سیما، لانڈھی : ٹی وی اسکرین کے اندر ایک صاحب ہرے رنگ کی لمبی چادر لئے کھڑے کہہ رہے ہیں کہ جسے حضرت داتا گنج بخشؒ کا فیض چاہئے وہ ہاتھ آگے کرے ۔ ہاتھ آگے کیا، چادر کا ٹکڑا ہاتھ میں آ گیا۔ خوش ہو کر نند سے کہتی ہوں دیکھئے میرے خالی ہاتھ میں کیا آ گیا۔ وہ کہتی ہیں تمہیں فیض ملے گا اور کام لیا جائے گا ۔ پھر کسی نے میرے دماغ کی اسکرین پر محمدؐ لکھ دیا۔ میں نعتیں پڑھ رہی ہوں، آواز آئی اور تیاری کرو ۔ ایسی نعت کی آواز آئی جو پہلے کبھی نہیں سنی تھی ۔ بتایا گیا کہ اس نعت میں صحابہ کرام کا ذکر ہے ۔ میرے سلسلہ کی کچھ بہنیں کہتی ہیں کہ معاشرے میں برائی پھیلی ہوئی ہے ۔ مجھے ایک جادوگر نظر آیا تو ڈنڈے سے اس کا عمل ختم کر دیتی ہوں ۔ پھر ایک روحانی ہستی کا دیدار ہوا جن کے اوپر انوار برستے ہوئے دیکھے ۔

تعبیر: الحمد للہ، خواب مبارک ہے ۔ پانچ وقت نماز میں جو سورتیں تلاوت کریں ان کا ترجمہ یاد کریں اور ان پر غور و فکر کریں ۔ اہم بات یہ ذہن نشین کر لیں کہ جب ہم نماز کی نیت باندھتے ہیں تو ہاتھ اٹھا کر کانوں تک لے جاتے ہیں اور اس بات کو دہراتے ہیں کہ اب ہم اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اللہ سب سے بڑا ہے ۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم نے اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھی کہ اب ہمیں اللہ کے علاوہ دوسرے خیالات نہیں آنے چاہئیں ۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ نیت باندھ کر اس تصور میں قرآن کریم پڑھیں کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے ۔ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اللہ مجھے دیکھ رہا ہے ـــ پوری نماز کے بعد دعا کریں اور دعا میں بھی یہ تصور قائم رہے کہ رب العزت، جو پوری کائنات کے خالق ہیں میں ان سے التجا اور دعا کرتی ہوں، آمین ۔

علمِ شریعت

نام پتہ شائع نہ کریں: لوگ طواف میں مصروف ہیں اور کچھ خانہ کعبہ کی چھت پر نظر آئے ۔ محسوس ہوا کہ وہ لوگ صلاح مشورہ کر رہے ہیں ۔ مجھے حیرت ہے کہ یہ کون لوگ ہیں اور اوپر کیسے پہنچے؟ خیال آیا کہ میں طواف مکمل کر چکی ہوں، اب کعبہ کی چھت پر جاؤں ۔ آواز آئی کہ یہ اللہ کے بندے ہیں ۔ میرے اندر خواہش پیدا ہوئی کہ ان لوگوں میں شامل ہو جاؤں اور خانہ کعبہ کی چھت پر جانے کا راستہ ڈھونڈنے لگی ۔

تعبیر: آپ نے کتاب میں تصوف کے بارے میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیغمبروں کے ذریعے جو علوم اللہ نے سکھائے ہیں اہلِ تصوف ان کو ۱۔علمِ شریعت اور ۲۔علمِ تکوین کہتے ہیں۔

علمِ شریعت میں وہ تمام پروگرام بیان ہوتے ہیں جو بالغ انسان پر فرض ہیں۔ الحمدللہ! مسلمانوں کی بڑی تعداد ان علوم سے واقف ہے لیکن عمل میں لاپروائی کی وجہ سے تکمیل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ تمام عالمِ اسلام کو علمِ شریعت، حضور پاکؐ کی سنت اور ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

علمِ تکوین یا علمِ طریقت وہ علوم ہیں جو کائنات کے انتظامی امور اللہ اور رسولؐ کے حکم کے مطابق پورے کرتے ہیں اور عوام کو ان پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ کا جذبہ بہت مبارک ہے لیکن علمِ شریعت کے مطابق زندگی گزارنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نماز، روزے اور حضورؐ کے احکامات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

بچوں سے سلام میں پہل کریں۔

مرحوم بہن

م۔ا۔خ، واہ کینٹ: مرحومہ بہن پاؤں پھیلائے بیٹھی ہیں۔ پاؤں کے پاس سانپ ہے۔ بہن نے تکلیف کا اظہار کیا پھر رو پڑی۔

تعبیر: آپ کی بہن کو ایصال ثواب کی ضرورت ہے۔ ایصال ثواب سے مرنے والے کا ذہن تقسیم ہو جاتا ہے کہ فلاں بھائی نے بھیجا ہے اور اس صورت حال میں تکلیف دہ منظر چھپ جاتا ہے۔

سات سورج

نفیسہ، کراچی: ابو کے ساتھ کھلے آسمان کے نیچے بریانی کھا رہی ہوں۔ ابو نے کہا کہ وہ مزید بریانی لے کر آتے ہیں۔ میں ساتھ گئی۔ راستے میں ابو کے دوست نظر آئے۔ ان کو سلام کیا۔ پتہ چلا کہ بریانی انہوں نے بنائی تھی۔ کچھ دیر بعد دیکھا کہ وہ تخت پر بیٹھے ہیں۔ میں ان کے برابر میں بیٹھ گئی۔ سامنے نظر گئی تو دیکھا کہ آسمان غروب آفتاب کے وقت کی طرح گلابی ہے اور قطار میں سات سورج ہیں۔

تعبیر: کوئی واقعہ پڑھا ہے جس کا عکس خواب میں دیکھ لیا۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کا خواب پڑھا ہو۔ بہت ساری باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ آسمانی دنیا سے متعلق ہوتی ہیں اور زیادہ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو زمینی تخلیق ہیں۔ ہر آدمی شعور لاشعور میں مستقل ردّوبدل ہوتا رہتا ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ بیداری ایسا وقفہ ہے جس میں الوژن ہے۔ جنت میں ابا آدم نے جب درخت کے پتّے اور پھولوں کا رنگ مسلسل تبدیل ہوتے دیکھا تو یقین کی جگہ ذہن میں شک پیدا ہوا کہ یہ رنگ نیلا نہیں، سرخ ہے۔ سرخ رنگ فوراً نیلا ہو گیا۔ اتنے رنگ

تبدیل ہوئے کہ آدم کا یقین بے شمار رنگوں میں تقسیم ہو گیا جب کہ رنگ کی تعریف اصل سے دوری ہے۔ سفید کپڑے کو سرخ رنگ میں ڈال دیں سرخ کا غلبہ ہو جائے گا اور سفید نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔ یہ الوژن کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس تحریر میں بار بار غور کیجئے، خواب فکر طلب ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرے، آمین۔

جلیبیاں

نام شائع نہ کریں، ایف بی اے: خواب دیکھ کر جاگتا تھا تو میری آوازیں نکل جاتی تھیں۔ آپ نے ام الصبیان کا تعویز دیا جو میں نے پہنا ہوا ہے۔ کچھ مہینوں سے خوابوں میں خود کو خستہ حال گھروں میں دیکھتا ہوں، وہاں موجود لوگ ناخوش ہیں اور مجھے بھی بے چینی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی کالے رنگ کا پانی نظر آتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے دیکھا کہ ایک جاننے والے اپنے بیٹے کے ساتھ تھال میں جلیبیاں لے کر آئے اور وہ دونوں جلیبیاں کھا رہے ہیں۔

تعبیر: خواب میں غصہ، جھنجھلاہٹ، لڑائی، ایک دوسرے سے نفرت اور اعصابی کم زوری کی علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ گھریلو پریشانیوں اور نااتفاقی کے خاکے بھی ہیں۔ گھر میں صفائی کا خیال رکھیں۔ شوگر نہ ہو تو عصر اور مغرب کے درمیان تازہ جلیبیاں کھائیں۔

ماہنامہ قلندر شعور اگست 2020ء

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:..... والدہ صاحبہ کا نام:.....

پورا پتہ:.....

ازدواجی حیثیت:.....وزن (تقریباً):.....آنکھوں کا رنگ.....

نیند کیسی آتی ہے:.....بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):..... تاریخ پیدائش:.....

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟.....فون نمبر.....

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات :.....

.....

لال جبہ میں بزرگ

اب ج۔ خوب صورت اور پُرسکون جنگل سے گزرتے ہوئے کسی باپ بیٹے کو کھیلتے ہوئے دیکھا۔ ماحول میں سکون نے متوجہ کیا۔ سوچا کہ امی مجھے مراقبہ کے لئے یہاں کیوں نہیں لاتیں؟ نانی کے گھر گئی۔ عید ملنے مہمان آئے تھے۔ مہمانوں کی تعداد کم لگی۔ وجہ سمجھ میں آئی کہ یہ میٹھی عید ہے اور ماموں نے، جو کھانا اچھا پکاتے ہیں، کچھ نہیں پکایا۔ لال جبہ پہنے ایک بزرگ تشریف فرما تھے۔ مجھے لگا کہ یہ بڑے ابا ہیں۔ نانا، خالہ، امی اور ابو حالت جوانی میں موجود ہیں اور میں چھوٹی سی امی کی گود میں ہوں۔ بزرگ کے بارے میں نانا کہتے ہیں کہ اگر والدہ اجازت دے دیتیں تو میں ان کا ہو جاتا۔ بزرگ ہماری طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ یہ سب نوازدیئے گئے ہیں۔ پھر انہیں اڑتے ہوئے دیکھا۔ نانا چارپائی پر لیٹے ہیں اور کہہ رہے دیکھو وہ آسمان کی سیر میں مصروف ہیں۔

تعبیر: آپ کے گھر میں روحانیت سے متعلق گفتگو ہوتی ہے۔ اس گفتگو میں خاندانی پس منظر کا اظہار زیادہ ہوتا ہے۔ خواب میں الوژن زیادہ ہے۔ الوژن سے مراد وہ باتیں ہیں جن کا کوئی مفہوم نہیں ہوتا۔ مختصر یہ کہ خواب خیالات کی فلم ہے۔

وقت اور فاصلہ ــــ؟

بابا تاج الدینؒ کے پاس مدراس سے ایک ضعیف العمر صاحب آئے اور حج پر جانے کے لئے مالی اعانت کی درخواست کی۔ بابا صاحبؒ نے انہیں تسلی دے کر رخصت کیا۔ حج کا وقت قریب آیا تو وہ دوبارہ حاضر ہوئے۔ بابا صاحبؒ خاموش رہے اور حج پر جانے کا وقت گزر گیا۔ حج سے ایک روز پہلے وہ پھر حاضر ہوئے اور عرض کیا، کل سے حج شروع ہو جائے گا، آپ نے میری مدد نہیں کی۔

اگلے دن بابا تاج الدینؒ حسب معمول باہر نکلے تو ان صاحب نے دوبارہ بے چینی اور محرومی کا ذکر کیا۔ بابا صاحبؒ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور کچھ دور لے جا کر ایک جگہ پر بٹھا دیا۔ بیٹھے بیٹھے ان صاحب کی پلکیں بوجھل ہو گئیں اور وہ وہیں لیٹ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ مکہ مکرمہ میں موجود ہیں اور حاجیوں کے ساتھ مناسک حج ادا کر رہے ہیں۔ وہیں بیٹھے بیٹھے خود کو تمام مناسک حج ادا کرتے ہوئے دیکھا۔ حج کا وقت ختم ہوا تو بابا صاحبؒ وہاں پہنچے اور فرمایا ــــ کیا یہیں پڑا رہے گا؟

not mean that an individual entity will be stripped of its use in this universe. There is nothing that was created redundant by God. But no individual entity can be useful unless they collaborate and play a role in the matrix of this universe. When a grain of sand agrees to give up its identity, it becomes a pearl, a mirror, a building, or a gravestone too. Each of us is like the grains of sand that are hand-picked by the Creator to shape us into things that He wants us to be used as in this universe. What happens if in a wall, the sand, water, bricks, cement and paint fall apart from their unity and decide to remain individuals, breaking their collective identity?" Asked the master.

He was silent for a long time and then whispered, "United we stand, divided we fall."

The master stroked his back lovingly and said, "Unless you know you are from a unified origin, you will never be unified. Unless you recognise the water that flows in you as blood is the same that flows in your brothers and sisters, the same as the salt water that flows in the ocean, the same as the coconut water up in the tree, and the same as the yolk in the egg of a reptile, you will not realise that you are made up of the same common element with different proportions."

He knew water was not water. The master was referring to something deeper. Water was only a metaphor. He remembered the master's words, "You often miss the most precious information and clues life offers when you do not focus beyond the surface of things."

The master had heard his thoughts and said, "Yes, water is only a metaphor. We are all light beings, created out of the light of *Noor*. To the physical eye this world is colourful, whilst to the internal eye, the world is colourless; the world is Divine light.''

He was silent. He wanted to know his Creator. Intense pangs of love strung the chords of his heart and his eyes began to shed uncontrollable tears. He did not know why he was crying but when he saw the river and the raining sky through his teary eyes, he felt that the skies were crying too, in the same deep yearning for their Creator.

He felt that those tears streamed down as rain and formed rivers that went on to accumulate as oceans. His heart swelled up in love so much that he was breathless and yet in this breathlessness there was a deep sense of relief that he had not experienced in the millions of breaths he had inhaled and exhaled through his lifetime.

"I want to meet my God. And I will do whatever it takes," he finally said. For the first time, he was not in doubt!

(Episode 6)

iii

nothing but the feeling that he was in the embrace of his master. He was lost until he felt a gentle tap on his shoulder.

He opened his eyes to find that he was sleeping on the lush, green grass of the valley and a familiar voice was calling out to him, "Wake up! Is this not your last day here? Do you want to rest all day?" It was indeed his master chiding him with a slight smile curved upon his face.

He sat up startled. There was no trace of the tornado; the valley was peaceful. He dared not ask the master anything, so he smiled and said, "Good morning."

"What did you learn from the tornado?" the master asked with a smile.

"So, it was true! I was in the tornado!" He exclaimed loudly. Ever since he had met his master, the lines between wakefulness and sleep had blurred. He was not sure if he was waking in a dream or dreaming whilst being awake. Nevertheless, he replied, "No matter what the commotion in life, when your focus is on your master, they will cease to exist or matter."

"Yes, you are right. But it also holds other, deeper secrets. You noticed living, and non-living things within the tornado and yet you called them all collectively 'the tornado'… Why?" the master asked.

"Once the tornado engulfs them, they become an indistinguishable part of it and hence become the tornado themselves," he replied.

"Indeed. This is a demonstration of surrendering and the art of becoming 'Nothing'. Imagine that you are looking at your reflection in the mirror. What do you call what you see in the mirror?" the master questioned.

"I would say that what I'm seeing is my body," he replied.

"Why do you not call it Head + Neck + Eyes + Hands + Heart + Spleen, etc.?" The master asked again.

"Because the collective name of all the parts is, the body," he replied.

"Indeed," the master explained. "When you referred to a collection of organs as the body, the individual identity of the organs was lost and they all merged to form a collective identity, is that not so?" He nodded in affirmation to the question.

"Now imagine a wall. The wall has elements like sand, bricks, cement, paint, water and more. Even though individually these elements can be identified, when they come into a collaboration to form a wall, they lose their individual identities to form a collective identity called a wall. From now on, when you see this collection, you will only refer to it as a wall. When a sperm and ova merge, they lose their individual identities and become a foetus."

"The art of being nothing does

ii

his body. He realised that he had been dreaming again.

As he looked outside the window, the mountains were covered with thick, dark clouds. An occasional stroke of lightning bolted through the haze. He wondered how safe it was to venture out. But he was sure that he was stepping out in search of his master. He had only one full day remaining at the forest reserve facility and would be checking out the following morning.

His chest grew heavy with these thoughts. Then he suddenly remembered, he had to change his frame of mind from negative to positive and he began to smile. His master had always found ways of meeting him beyond physical boundaries in the last two days. There was no scope left for doubt that they would meet each other every single day thereafter too! Feeling exhilarated with this realisation, he quickly began to ready himself for the day that lay ahead.

Watching the skies melting in downpour, he grabbed an umbrella, walked down the steps and noticed the glowing footsteps that were leading in the direction of the mountains this time. With a broad smile, he began to hum his favourite song under his breath and followed the path marked by his master. After a short while he reached a valley. He was surprised at how the forest had completely hidden the valley in its bosom. While the river flowed ferociously at one end, the mountains seemed to guard this sacred valley that lay nestled between them. A sudden gust of wind shook the ground beneath him. Losing his balance under the surge of the wind, he fell down; looking up, he saw a whirling tornado right over him.

Intense fear gripped him as he realised that he was in the eye of a ferocious tornado!

Before he could act, he was sucked into the whirling wind. He saw flashes of lightning all around him. He was surrounded by animate and inanimate objects that spun in the tornado with him. He witnessed almost everything he had experienced in his life whirling inside the tornado; his parents, family, friends, childhood home, toys, colleagues, books he had published, awards, assets, his car, pet dog, the tree house, the hundred-thousand year old tree, innumerable animals that he had never seen before, water from the lake and so much more. It was as if the whole universe was whirling within the eye of a tornado.

His fear had reached its peak and he closed his eyes. He began to envision the face of his master and surprisingly, in that very instant, he felt very safe despite the ferocious nature of the wind that had gripped him. He watched his fear vanish as his mind steadied its focus on his master.

After a while, he could no longer feel the rush of wind, nor its turbulent whirling, there was

i

Circle of Life

When a grain of sand agrees to give up its identity, it becomes a pearl, a mirror, a building, or a gravestone too. Each of us is like the grains of sand that are hand-picked by the Creator to shape us into things that He wants us to be used as in this universe.

"Imagine yourself in the rooms of your home. In some rooms your phone network is weak and in others, the network is at its strongest. You know by now which part of your home gives you access to an uninterrupted and speedy connection to the network, don't you? In the same way, the Prophets of God (PBUT) have brought us messages to let us know which areas of behaviour and thinking reduce the strength of our connection to God. The 'rooms' are like frames of mind we move in and out of through the day. When we are in a negative frame of mind, it is the same as moving into a room with the weakest network signal, and when we move into positive frames of mind, we move into a room that is well connected and the signal is the strongest. When you are in negative frames of mind, you will remain in doubt and when you are in positive frames of mind, you will remain in faith." The old man looked up again, at the skies and the stars. He seemed to be in an unspoken communication with them.

"Is meditation the art of moving from a negative frame of mind to a positive frame of mind?" He asked.

"The practice of meditation over time does even better than that. It assists in completely breaking both frames of mind, the positive and the negative and moves you into a state of neutrality. That is, it takes you from a state of doubt and faith to the state of enlightenment, and great awareness. It helps in the restoration process that the spiritual master has undertaken within a student and eventually enables you to witness your *self* and your Creator. Meditation is a path that leads to self-actualisation, and this cannot be attained without continuously being in the state of happiness," replied the master.

"What is enlightenment?" As he asked, he heard a continuous echo of what the master had said to him before, "The water that falls down upon the lake as rain is the same water that rises up into the clouds as vapour."

Though he could hear these words repeating in his mind, he did not understand how it applied to his question, and just when he thought that he should ask to clarify further, the sound of a windowpane crashing jolted him awake. He was sitting on the armchair in the tree house. His jacket was in its place, neatly folded, and there were no traces of bruises on

iii

human societies to nothingness, yet none had done so until they had been commanded, as all were bound to follow a system, a law that had been set by nature, implemented by nature, and if it ever came to be, enforced by nature.

"The agent will be a minute virus, invisible to the naked eye." Mother Nature decided.

Silence prevailed in the meeting.

The following morning was a little too peaceful; the human representative immediately realised – the warning had been put into effect. The sky seemed bluer, the chirping of the birds seemed merrier than usual, and the routine noise from everyday vehicles could not be heard at all.

The headlines in the news spoke of the virus, and yet it had not been a surprise; as nature had taken a breath of relief, the human civilisations throughout the world had been quarantined in fear of a contagious disease spread through a minor virus.

As a precaution, schools were closed, businesses halted, transportation suspended – and the restless mortals had been put to rest for a span of a few months to mitigate human interaction.

"Is this not the reality of man?" the human thought.

Was the system of money they so blindly relied upon, not a mere self-construct? Or did the brittle piece of paper carved from trees possess real value? Was land not free? Or had nature lent it to humans in exchange for money? Had the trees ever demanded money for the immeasurable amounts of fruit and seed it had borne?

Was mankind not escaping their reality, or was escaping reality considered wisdom? Without nature, what is mankind?

The education system they had so heavily relied upon – what guarantee was given that they were teaching a future reality rather than a construct? There is something majorly missing in the system woven by the mortals. It fails to realise that it has always been part of a greater system – a part of nature. The way through this system was not to escape it, but acknowledge it. Progress was not stagnation, but growth. And what human civilisations have been living in for many years has been stagnation.

Mother Nature silently observed the bewilderment of the human civilisations, whose sole struggle had become the fight for life and death.

Human governments scrambled to save their populations, advising their people to stay close to nature. Ironic it was, Mother Nature thought, how such fragile beings had exclaimed triumph over the world only a few days ago and now, they were ordering people to help those in need.

Mother Nature waited patiently for the call to the next meeting.

ii

trees are. The system if not grew, was prone to destruct, the humans would too.

The meeting had been called to address the issues the factions of nature had been suppressing for so long; the water had filed a complaint in Mother Nature's court as it had to change its course but consequentially, thousands of human settlements would be wiped out.

The ground had been restless as the ten thousand span of years allowed the ground to elevate and flatten but the mortal civilisations were to be nudged.

The clouds had been uneasy as the destruction of forests by the humans disallowed them from replenishing the exhausted land.

The trees agonized that they had been chopped down constantly, at a rate faster than they could grow.

The human representative had been called to defend the billions of his kind, if there was anything at all to be defended.

"Have you nothing to say?" Mother Nature had finally broken the silence.

"I seek forgiveness on behalf of the ignorant, they have eyes but they are too blind to see, ears but they excuse hearing, and minds which fail to decipher." The human representative had shuddered to imagine the span of destruction Mother Nature was capable of imposing. The fragile misguided beings would be cleansed in less than a minute, laying waste to all they had so victoriously claimed to conquer.

"Nature will have its way," Mother Nature apologetically echoed. "The rest will be decided after the warning has prevailed."

"Have mercy," the human pleaded for a final time.

"Inform those who you can, Mother Nature will only keep those upon it who shall follow her system of growth. The rest will meet their fates as per the law."

The human had thought of the capitalist economy that mankind religiously followed and the system of healthcare they had so blindly trusted.

"They spare no one, not even their own kinds, and stain me!" The ground exclaimed.

"I was not to be claimed ownership over, to be bought or sold, let alone controlled. I was free. I was to be for all," the water presented its stance.

"Have we not seen mortal dynasties before them flourish and fall?" The wind spoke.

"And systems like theirs collapse to the ground?" The animals questioned.

"Do I not cover the bodies of those before them?" The ground reminded them all, "And shall I not continue to do so?"

Had there not been civilisations before them? The human thought of who else had been met with the same fate. Had there not been tsunamis and earthquakes that crippled the glorified civilisations of men? Even the most minor faction of nature had the power to shake

i

Mother Nature's Court

Even the most minor faction of nature had the power to shake human societies to nothingness, yet none had done so until they had been commanded, as all were bound to follow a system.

The world fell silent. The honking of the horns, the splatter of the water, the excruciating drilling into the ground, and the restless wandering of the purposeless mortals halted over the past few days.

The air seemed cleaner, the clouds seemed brighter, and the trees swayed with delight – an air of relief would be a suitable phrase. Not only did the animals feel it, but the humans too stood witnessing the peculiar bliss; of what and by whom however, the humans failed to fathom.

The calm had become a state of unexplored mystery in the age the humans named modern. Was anything left untainted by them? The air sang a melancholy melody of the atrocities it had drifted past, of how dust had inexcusably entered the air uninvited, and how the water that had served the humans for so long, had silently trickled towards death in stagnation.

The fertile soils had suffocated from plastics, which the humans had so proudly claimed as their invention.

The animals finally wandered around their territories freely, and the mortals no longer claimed authority over the roads. The free-flowing water was once again accessible to dolphins that had swum long forgotten lakes taken over by the humans. Rain poured in several areas in blithe.

Were humans not ungrateful? If it had not been for Mother Earth's forgiving nature, they would have long ago been wiped from the very face of the Earth.

The debate had been inconclusive but Mother Nature had decided to give out a warning – a very minor form of a warning.

"They need it." The trees had gravely accepted.

"They need a reality check!" The animals had revolted. "When have we ever rebelled?"

"To let them live on me was my duty, but to sell me, to kill each other for me, and to build unpromising structures upon me?" The ground lashed out.

The representative of the mortals sat quietly; he knew he had to defend his kind but what could he possibly say? Were they not correct? The mortals thought themselves to be higher beings, a creation with command over intellect and authority, an unaccountable race that could do as they pleased, but what was truly the reality? Were they all that which they fathomed themselves to be?

In reality, the mortals are part of the same system that animals and

ماہنامہ

روحانی ڈائجسٹ

کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدین عظیمی

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی

روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پُرکشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین و دنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

V

serve God and is constantly inspiring you to come to God and His ways.

Part of the reason for using the example of the blind artist was to point out the power of the soul. It is so powerful that it gave an artist with no sight the ability to paint pictures with a visual perspective. How can you not think that your soul will guide you to the straight path if you strive to know it?

We must acquaint with our soul in order to cognise God, which helps us live our lives in a way that pleases Him. Knowing one's soul introduces us with peace within, which does not exist outside in material things.

The person who is connected to the soul sees positivity in everything. They always follow the path of God. The reason why spiritual masters stress upon knowing one's soul is because it is crucial to get closer to oneself to get closer to God. This makes life easy, not only in this world, but in the hereafter too. Prophet Muhammad (PBUH) says that, "Die before you die."

Spirituality, or the process of knowing one's soul, like every other skill we learn on this earth, takes time to develop and master. Spiritual orders and teachers advise their students to improve their spiritual capabilities through prayers and meditation.

Meditation clears one's mind and helps them focus on one point with complete attention. This practice makes them reach a point where secrets are revealed.

The person who realises their soul, never loses out. They become the servant of God, and help His creatures. They remain in touch with the world, but do not get influenced by it. Those who are influenced by God are unaffected by anything perishable.

If you take one step towards God, He takes ten steps towards you. God will help you close the distance between you and Him, but you have to take the first step. So, take the first step and reap the benefits. May God grant us the ability to know our soul, so that we live a life that is according to His wishes. Amen.

What is Within You ?

You have learnt so much
And read a thousand books.
Have you ever read your Self?
You have gone to mosque and temple.
Have you ever visited your soul?
You are busy fighting Satan.
Have you ever fought your ill intentions?
You have reached into the skies,
But you have failed to reach
What's in your heart!

— Baba Bulleh Shah (RA)

light that reached the retina. But Esref has been proven to have no functioning eyes from birth. Yet despite the absence of vision and therefore external information, the visual cortex of his brain was receiving visual images.

Where are these images coming from? When questioned, Esref said that the images appeared in his brain, which he then drew on to his braille stylus.

These images are coming from somewhere, and we know they are not coming from his eyes as he cannot see, so they are coming from somewhere inside of Esref – we can deduce that they come to him from his soul.

However, scientists believe that this non-invasive brain stimulation that Esref has, comes from an internal system that is yet unknown to them. Quran tells us that the entity which helps us to see is soul. And as in the case of Esref too, the soul is responsible for his sight despite the fact that he has no functioning eyes.

When someone dies, they still have their eyes, ears and their nose, and yet they cannot see, hear or smell. You can stimulate the brain with as many electrical impulses as you like, but you will not be able to activate the visual centre of the brain of the person who has died. Instead, we bury the person or burn the body and it offers no resistance because the real person, the soul, has gone and has left the body behind. This shows us that what we are, is only because of the soul. The real you is not the physical body but the soul.

Our senses enable us to understand and even enjoy the world around us, but God urges us to use our senses to develop an understanding and appreciation of His greatness.

"And We have certainly created for hell many of the jinn and humankind, having hearts wherewith they understand not, and having eyes wherewith they see not, and having ears wherewith they hear not. These are as the cattle nay, but they are worse! These are the neglectful." (Quran, 7:179)

This warns us about how we might not be using our senses correctly. Prophet Muhammad (PBUH) has advised us to die before death. In this, he was advising us to find out about our soul. There is a big difference between knowing of the soul and actually knowing the soul itself. Our soul has already acknowledged God as described in the following verse:

"And when thy Lord brought forth from the children of Adam, from their reins, their seed, and made them testify of themselves, saying: Am I not your Lord? They said: Yea, verily. We testify."

(Quran, 7:172)

Your soul knows that its Lord is God and it knows that it is God to whom your service and obedience are due. It wants to obey and

iii

friend is not there with you, not even before your eyes?

It is just the interpretation of electrical impulse and the way mind interprets it. Simply put, there is no light, sound or matter here. It is only *energy* that exists, and this very energy has been attributed as soul in spirituality.

The great spiritual scientist, Qalandar Baba Auliya (RA) mentions this law in his book Loh-o-Qalam as, "Somehow man has to come to the idea that this perceived universe is by no means a collection of material particles, but only a shadow of consciousness."

There is another example we can use to illustrate this point. There is an artist living in Turkey called Esref Armagan who was born blind. He has had no direct visual experience of the world i.e. he has never seen anything in the world with his physical eyes. And yet somehow, Esref not only draws, but he paints coloured landscapes with shadow, light and perspective. Esref has naturally become the subject of study of many universities and scientists. He even underwent a detailed neuro-ophthalmic examination, including flash electroretinograms that confirmed that he has been profoundly blind from birth.

It was discovered that one of his eyes never developed, remaining a rudimentary bud, whilst the other showed massive corneal scarring, an extraordinarily dense cataract and retinal pigment deposition – all symptoms consistent with blindness from birth. So how can Esref paint and draw when he has never seen anything?

The world-renowned neurology team at Harvard University scanned Esref's brain in order to find out how it was possible for him to paint pictures of landscapes that he has never seen.

In their words, it is not possible to paint such recognisable and well composed images without eyes. They put Esref into an MRI scanner and asked him to draw whilst they observed the activity in his brain. He was asked to remain as physically still as possible – only moving his hands whilst drawing – so that the scientists could get a clear image of his brain. As he drew, the scientists were riveted with what they saw on the monitors.

The regions of his brain that should not have had any activity due to his blindness, reacted in the exact same way as they do when a person with sight looks at an object. The visual cortex of his brain, the area that lights up for people with sight when they are looking at an object, lit up on the MRI as Esref was drawing his picture. The visual cortex was active and dynamically changing as he drew.

What the MRI results revealed was ground-breaking. Scientists previously believed that visual centres of the brain were only activated by the electrical impulses coming from the eye, which received its stimulus from the

ii

completely insulated from light. However, darkness is also a form of light.

It is important to repeat the point that the vision centre is at the back of the brain and because there is no way for light to reach this spot, no light actually reaches this vision centre.

It is a proven scientific fact that there are only electrical impulses or electromagnetic waves of different frequencies. Our mind has a limitation to see the world in the form of colours. That is the reason, transparent glasses are usually marked with red signs so people do not collide with the glass.

It means when these electrical impulses reach to the visual centre, the mind interprets these electrical signals in the form of lights and colours. There is no green, red or blue light in the electric current. It is only an interpretation of the mind.

This is the reason, in the state of dream, we see images and scenes in our brain, despite our eyes being closed.

This means that we see the vast world of lights from a tiny spot in the back of our head that is never exposed to any light at all. How can this completely dark place, make us see a vast world full of light and colour?

The quantum physics has come to the conclusion that nothing exists (such as matter) but just waves, that we have named electrical impulses or electromagnetic waves. The sequence modern science mentions explains that electron radiates electric waves, and we are all surrounded by the ocean of these waves. The mind, due to its limitations, interprets these waves as light, colour, and finally as states of matter i.e. solid, liquid and gas.

All our senses are working in the similar pattern to the visual.

For instance, we hear sounds in our brains in the same way we see things in our brain. The ear captures sounds, and delivers them to the middle ear. The middle ear is part of the ear that amplifies the sound vibrations and delivers them to the inner ear. The inner ear transforms these sound vibrations into electric signals, on the basis of their frequency and intensity, and then transmits them to the brain. These messages in the brain are then sent to the hearing centre where these electric signals are interpreted as sounds.

Therefore, the hearing process takes place in the hearing centre in essentially the same way that the seeing process takes place in the seeing centre.

As the visual process is not performed by our eyes, neither do our ears perform the hearing process. That is the reason, when you hear your friend's voice, their image simultaneously appears in the mind. Now the question arises, how does the picture of your friend appear in your brain just by hearing the voice? Even your

i

The Soul and Science

When someone dies, they still have their eyes, ears and their nose, and yet they cannot see, hear or smell. You can stimulate the brain with as many electrical impulses as you like, but you will not be able to activate the visual centre of the brain of the person who has died.

In the Quran, God states, "Hath there come upon man any period of time in which he was a thing unremembered?"

(Quran, 76:1)

The man was not a thing worthy of mention. God breathed His soul into us, and we became seeing and hearing sentient beings.

"Then He fashioned him and breathed into him of His spirit; and appointed for you hearing and sight and hearts. Small thanks give ye." (Quran, 32:9)

However, going to school, I was taught that it is our eyes that give us the ability to see, our ears that allow us to hear sound, and our nose that gives us our sense of smell. This is true, but it is not the complete picture; it is the Quran that gives us the full picture. The above verse clearly states that it was only after God breathed His soul into a body made of clay, and then the body acquired the sense of seeing, hearing, touch and so on.

All the information that we have about the world we live in is conveyed to us by our five senses. The world as we know it consists of what our senses tell us about it. We never stop to think that the external world might be something other than what our senses present to us, as we have been dependent on these senses since the day we were born.

Research in many different fields of science has started to question our current understanding of reality.

For example, it has been found that it is not the bodily apparatus (the eyes, ears, and nose) that are responsible for our senses, rather it is another unexplained agency altogether, which is referred to as the soul.

Let us use the example of sight to demonstrate this point. We are taught in school what the process behind sight is. We are told that light enters the eye through the cornea, passes through the pupil and hits the lens, which then focuses the light rays onto the retina at the back of the eye. When the light reaches the retina, the image is upside down. The retina converts the image into electrical impulses. These electrical impulses are picked up by the optic nerve which then transfers them to the visual centre of the brain located at the back of the head. The brain then assembles these signals into images.

This shows us that the place we actually 'see' from is a tiny spot in the posterior part of the brain, which is in complete darkness and

prayer in a mosque or a church, but is more concerned about the luxuries of their physical life rather than any deep contemplation. Seeds will not grow and mature in this type of person as they lose interest in the many attractions of materialism.

4. Those that have an open mind, and a noble and good heart. Here the seeds are in good soil, and the end result is mature, good fruit. Such people do not simply hear the message; they understand, accept and practice the message. This type of person has a receptive heart where the message goes deep and grows and transforms them.

They persevere in their faith, and know that they are in it for the long run and are not distracted by anything in this world. They know that this life is a stage on which everyone is playing and the real life is yet to come. They are humble and believe that everything comes from God, and that He will reward those who truly follow Him.

This parable gives broad categories for the condition of the heart. It shows inner wisdom and makes the things of God easier to see, and this can be reflected on to better align oneself with God's teachings and the messages from the prophets. May the words from God take deep root in our hearts so that we grow strong in love for everyone, help everyone, and understand His will.

Zafaran, is the Arabic word for saffron, which means yellow. It is one of the oldest, culturally rich and expensive spice of the world. It takes approximately 50,000 flowers to harvest just a single pound of saffron.

It is labour-intensive to get the flowers from the field to consumers. The complicated harvesting process and conditions, including its rich flavour and colour makes it the most expensive spice in the world. It can cost you about US$ 3,800 to 5,000 per pound.

Saffron is obtained from the stigma of the crocus flower. Each flower contains three red stigmas, which are dried and used as a spice, that is saffron.

It adds pungent and aromatic flavours to food and beverages, but also a beautiful golden colour.

It has its origin from the Asia Minor, and has been used since ages in medicines, perfumes, dyes, and food. It is now chiefly cultivated in Iran, but also grown in Spain, France, Italy and India.

iii

the end result of listening will depend on how one accepts the message given to them. Prophet Jesus (PBUH) referred to four kinds of people:

1. Those who fail to understand how the word of God applies to them. This is where the seed falls on the path and is trampled on, or eaten by birds. Seeds of good fruit and food are not going to grow on a path. This is a prejudiced person who does not listen, and the word does not penetrate their heart. Indeed, this type of person has a hard heart and does not believe in any religious or spiritual message that is heard.

Prophet Jesus (PBUH) mentioned the devil taking the word from their hearts, and perhaps these people have listened to the whispers of Satan for too long. Perhaps they have mental blocks or are too involved in the ways of the world, and will have no interest in anything that takes them away from the comforts of the world.

2. Those that are religiously shallow or lack spiritual depth. This is where the seed falls on a rock and withers away. Seeds need moisture otherwise nothing will grow properly. Such a person may listen and believe and respond with emotional fervour to a religious or spiritual message, but this wears off in any time of testing. At the first sign that things will not happen as they had hoped for, they look for something else that might give them instant results. This type of person has a shallow heart.

They may be initially attracted to the message, but their belief is not deeply rooted as the seed has not really entered their heart and they will lack conviction. In hard times, when one is being tested or tempted, one needs to show the depth of their faith and the belief they possess. If this is not deeply rooted, then previous opinions take hold again and one reverts to their old behaviour. The seed will not prosper in this type of person, as the person gives up.

3. Those that are too busy, easily distracted or preoccupied. Here the seeds have fallen in thorns, and these choke or distract the growth of the seed. The seeds do fall in soil, and so these people do hear the word of God. The thorns represent the comforts of the world, the deceitfulness of riches and the many pleasures of life. This type of person has a crowded heart which distracts them from what is really important.

Such people may well work hard, so hard that they may be too tired to think of anything other than work. Or they may be too involved in the pleasures of money or flesh, and enjoying their time in this life. They are too full of the comforts and cares of the material world, and do not give enough importance on doing good deeds to help others or on considering the next life that everyone goes to when they die. The person may well spend some time in

partially because at the time of the Roman Empire, his teachings were considered different in comparison to what was commonly believed or taught by those in authority. Many people would have been opposed to what Prophet Jesus (PBUH) taught. This method of teaching has also been employed by mystics over the years such as Sufis who have used parables to illustrate a spiritual lesson or inner wisdom.

In many cases, even if the underlying wisdom is not initially completely understood, the story stays in the mind and over the years, when recollected, the person may then begin to comprehend the hidden depth within the story and it may then help to change their thinking process. As explained above, there were some who would not have understood the deeper message of the story, yet they would still enjoy the parable on the surface level, as it contained elements that were familiar to them.

During the era of Prophet Jesus (PBUH), the people around him were mainly rural farming communities and so understood the literal story of sowing seeds and what is needed in order to grow crops and food. They lived off the land and sowing was essential for their survival. They knew of the need for good soil, sun, rain, and timely cultivation. Sowing would have brought hope for future harvests as it was well known that seeds required the right environment to grow and mature into fruit and vegetables.

In this parable, Prophet Jesus (PBUH) speaks of seeds being sown. Some seeds fall on the path and are eaten by birds; some seeds fall on rock, wither away and do not grow properly due to a lack of moisture; some seeds grow amongst thorns and are choked and so do not grow properly; and some seeds do grow, as they have good soil and the yield is also very good.

Prophet Jesus (PBUH) was asked what is meant by the story and he gave its meaning. He referred to the seeds as the word of God which are sown by a sower. Through the ages, many messengers have been sent by God to give His message and invite people to unity all around the world. All messengers of God taught people the difference between good and bad actions, what God likes and dislikes, and to think beyond the material life, and seek truth in all what God has created.

In a similar way, the heirs of the spiritual knowledge of prophets, the *Aulia Allah* (Friends of God) have also given good advice to those who have come to them for help. The last Divine Book Quran is also the word of God and we should read it, study it, and try hard to understand its meaning, and if we can do that, then we will deeply understand God's plan and His aim for mankind.

There are different ways one can listen to the word of God, and

i

The Sower and the Seeds

There are different ways one can listen to the word of God, and the end result of listening will depend on how one accepts the message given to them.

Prophet Jesus (PBUH) had once attracted a large crowd, and many people from neighbouring and distant towns had travelled to hear him speak, and so he told them all a story in the form of a parable:

"A sower leaves his house to plant seeds, and as he journeyed to scatter them across his field, some of them fell on the footpath. These seeds were stepped upon or eaten by birds. Some of the seeds fell among rocks where they grew only a little, but due to the lack of moisture, soon wilted and died. Some of the seeds landed among the thorns, which choked out the tender plants as they grew. And lastly, some of the seeds fell on the fertile soil. These grew bountifully and produced a crop over a hundred times more than what was planted!"

After this exclamation, Prophet Jesus (PBUH) called out to the large gathering, "Those with ears to hear should listen and understand."

Later, Prophet Jesus' (PBUH) disciples asked him what knowledge was hidden within the parable, and he replied, "For you, it has been permitted that you learn and understand the secrets of the kingdom of God. For the others however, I use parables to teach them, so that the scriptures may be fulfilled.

"When they look, they do not really see. When they hear, they do not understand."

The meaning of the parable is as follows:

"The seeds that the sower sets out to plant are God's word. Those that fall on the footpath are akin to the people who hear God's message, only to allow Satan to come and rip it away from them, preventing them from belief and the chance of being saved. The seeds that fall on the rocky soil are no different to those who hear God's message and even receive it with joy, but as their roots are shallow, their belief lasts only momentarily before they fall to sinful temptations. The seeds that fall among the thorns represent those who hear the message, but allow their minds to be swiftly crowded with the worries and material pleasures of this life. Finally, the seeds that fall upon the fertile soil are like honest, good-hearted people who not only hear God's word, but cling to it, patiently producing a huge harvest."

This parable tells us about the way different people listen to and accept God's word. A parable is a fairly simple story that is used to teach a spiritual or moral lesson. Prophet Jesus (PBUH) told a number of stories in parables,

adorned with knowledge and wisdom, the law of time and space and the formulae of creation.

The students of Baba Tajuddin (RA) include many prominent names. The foremost of them is the name of his grandson, Abdal-e-Haq Qalandar Baba Auliya (RA).

Qalandar Baba Auliya (RA) says, "Personalities like Baba Tajuddin (RA) are born once in thirty-five hundred years with the exclusive blessings of God Almighty. This whole universe is established on four cascades of *Noor* (a stage of Divine light). The status of Baba Tajuddin's (RA) glory is such that he absorbs within himself all these four streams of light in a manner that not a single droplet drifts away. More so, his state of nearness to Prophet Muhammad (PBUH) is such that the Holy Prophet (PBUH) has never refused a single request of this son."

He possessed a simple and firm countenance. Patience and resolve were embedded in his personality. His eyes reflected brilliance, and his heart was filled with Divine light. Baba Tajuddin (RA) served people for thirty-five years, blessing their hearts and minds with purity, knowledge and awareness.

The news of his passing was published in bold words in the newspapers of that time.

People like Baba Tajuddin Nagpuri (RA) are aware of the reality of, "Die before your death."

Two friends were strolling along a river bank. They reached a point where the water flow was strong, and a young woman was trying to cross it.

When she saw two men, she asked them for help. Both of the friends were taught to never eye women, let alone touching them.

One of them looked away, but another immediately stepped forward, picked up the woman and carried her across the river. He soon returned to his friend and carried on with their journey.

The man who had helped the woman noticed that his friend was unusually quiet, and had not spoken a word after that.

When he inquired, the other man blurted, "That woman was neither your mother, sister or wife. How did you carry her to the other end? Have you no shame? Are not we taught to not touch women?"

He smiled and replied, "Brother, she needed help. I set her down on the other side of the river, but why are you still carrying her?"

V

as soon as it reached close to him. People came to assist him and wondered aloud, "How did the engine stop on its own? Is this man some kind of magician?" Dr. Hamid narrated the whole incident to people around him.

Once Baba Tajuddin (RA) was sitting on the sand near a pond, and two women came to meet him. They had both been married for roughly thirteen years but neither had children.

He took out two *laddoos* from his pouch, tasted them and then offered one to each woman, asking them to eat it.

One woman ate it, but the other buried it in the sand. The woman who had eaten the *laddoo* was blessed with a child at the destined time; however, the other woman remained childless.

The woman who had given birth visited Baba Tajuddin (RA) with her child, and brought along the childless woman with her too.

Baba Tajuddin (RA) was seated at the same place they had met him before. The new mother placed her child at the feet of Baba Tajuddin (RA). The other woman could not hold her calm and cried, "Baba Ji, where's my child?"

He replied, "It is in the sand, take it out."

Dear readers, please reflect on the following words of Baba Tajuddin: "It is in the sand. Take it out." Write to us with your understanding of this statement.

The forest contractor of the CP Government, Sayyed Abdul Rehman, narrated that a thief once came to Baba Tajuddin (RA). He sat in a corner and said in his heart, "Sir, I have committed theft in a confectionary shop and I am extremely ashamed of it. Please conceal my mistake and save me from punishment."

In response to this silent request, Baba Tajuddin (RA) turned his face towards the thief and said, "Leave, your wish is granted."

Later, the confectioner whose shop was robbed arrived. He implored, "Huzoor, I have been robbed. All my earnings have been stolen."

Baba Tajuddin (RA) said, "Leave! It is all in the two plates. His work is done, and so shall yours be fulfilled too. Go and open your shop."

The confectioner returned. All his earnings had been stolen, except for two plates that had been left by the thief. Remembering the words of Baba Tajuddin (RA) that "It is all in the two plates," he started his business all over again with all his faith, and it flourished even more so than before.

Many wonder-working have occurred through Baba Tajuddin (RA). The transformation of leaves into ants, bringing a milkman back to life, the devotion a lion had for him, passing through a wall and his presence at multiple places simultaneously, etc.

Each and every miracle is

of alchemy which he shared with him. Yousuf Shah thought that it would be an easy source of income for him if Baba Tajuddin (RA) permitted him to practice the method. When he approached Baba Tajuddin (RA) to seek permission, Baba Tajuddin (RA) replied, "Do you want to eat filth?" Yousuf Shah became cautious and refrained from pursuing it.

The teachings of Baba Tajuddin (RA) aimed to free people from the grip of lust and greed. At times, he adopted a strict tone to achieve this, but his heart always brimmed with love.

The friends of God have always bestowed humanity with the wealth of peace and happiness. Once someone asked, "Baba, why do you reprimand people?" He replied, "No, I do not; I in fact pray for them."

Baba Tajuddin (RA) is distinguished for his wonder-workings. He was absorbed in nature to such a great extent that he unintentionally performed wonder-working.

Once during *Hajj*, a man saw Baba Tajuddin (RA) on Mount Arafat. Perceiving Baba Tajuddin (RA) to be a man of authority, he inquired of his name and address. Baba Tajuddin (RA) replied, "I live in the madhouse of Nagpur and my name is Tajuddin." Saying this, he left the man there.

After *Hajj*, the same man visited Nagpur and during a meeting with Baba Tajuddin (RA), he wished to see a wonder-working. While he was thinking about it, Baba Tajuddin (RA) moved closer to him and placed his thumb and index finger on the man's eyes, and said, "What is it that you see, is it the same Mount Arafat where we went for *Hajj*?"

The man's eyes were closed and yet somehow, he saw himself on Mount Arafat. The man could see himself there, at the same time as he had been before, in the same liveliness and same gathering!

The man replied, "Indeed, it is Mount Arafat. You have shown me this, now please show me the station of the Lord of the worlds."

Baba Tajuddin Nagpuri (RA) removed his hand and said, "Baba, who will go this far!"

Dr. Abdul Hamid, a devotee of Baba Tajuddin (RA), expressed his desire to go to Mumbai for an event. When Dr. Hamid sought permission from Baba Tajuddin (RA), he replied, "Don't go! The path is unsafe for you." However, upon his insistence, Baba Tajuddin (RA) pulled a leaf from a tree and asked him to keep it with him during the journey.

Dr. Abdul Hamid set off and during his travels, he disembarked at the Bhusaval Railway station for some work. He went to cross the railway track, and all of a sudden, he saw a train coming in his direction. Overwhelmed with fear, he fell on the track. It approached him at high speeds, but it stopped

house to his palace, allocating the vast exterior of the palace to Baba Tajuddin (RA) as a place of residence.

The saints of God have profound love for knowledge and the service of humanity. They open doors of service and cultivate lush fields of knowledge wherever they go. And in these fields, flowers blossom and mesmerise every visitor with their fragrance.

After residing in Shakardara for some time, Baba Tajuddin (RA) travelled to Waki. There was a mango tree at a distance of approximately four hundred metres from his residence. He referred to this place as a *Shifa khana* (healing centre), where hopeless patients would reside.

He also declared a place close to the healing centre a school, where those who visited Baba Tajuddin (RA) for the sake of prayers, knowledge or wisdom were advised to stay. Similarly, he also designated another place close to his residence as the mosque.

Wherever Baba Tajuddin (RA) went, he declared a place a mosque. After this, he commanded people with perturbed thoughts, or those affected with doubts and suspicions, to offer prayers in the mosque.

Be it in Waki or Shakardara, people witnessed Baba Tajuddin (RA) sitting near a pond, and in an instant, they saw him sitting underneath a tree in the forest.

At times when he was surrounded by huge crowds, he said in a loud voice, "You may all leave! All of your issues are solved."

People left satisfied, and God fulfilled their desires.

Baba Tajuddin (RA) stressed upon the importance of sincerity in the relationship with God and in one's actions. He extremely disliked hurting or oppressing someone. He used to say, "Repeating God's name, makes one better."

He pointed out the deficiencies in people's thinking and actions so subtly, that only the person concerned would understand that it was for them and none around would realise who it was being hinted at.

Once someone requested that Baba Tajuddin (RA) pray for his spiritual development. He said, "Kill the dog and bring it to me. We both will eat it." This is a reference to the Hadith which states that, "This world is a corpse, and its seekers are dogs!"

A usurer once came to meet him. Baba Tajuddin (RA) picked up a stick and struck him saying, "It is very cruel of you to trouble people. Stop demanding interest on payments." The words had such an impact on the person's heart, that he changed his ways.

A disciple named Maulana Yousuf Shah met a dervish, and they soon became friends. The dervish possessed the knowledge

ii

tion of his spiritual status.

With regards to spiritual association with Baba Tajuddin (RA), his grandson Hazrat Qalandar Baba Auliya (RA) narrated, "Baba Tajuddin (RA) attained nearness to Hazrat Abdullah Shah (RA) and received *nisbat* (association) from the Chishtia Sufi Order at the shrine of Baba Dawood Makki (RA). However, his spiritual training was directly imparted to him by the Holy Prophet Muhammad (PBUH), Hazrat Ali (RA) and Hazrat Uwais Qarni (RA). He was blessed by the heads of all spiritual orders."

There are several sayings of Baba Tajuddin Nagpuri (RA) that indicate that he received blessings from the *Uwaisia* Order. Referring to his pattern of thinking and association, he often said, "Our name is Taj Muhyiddin, Taj Moeenuddin." Sometimes, he would also remark, "Our name is Tajul Auliya, Tajul Millat, Shahenshah Haft Iqleem, Sayyed Muhammad Tajuddin."

When Baba Tajuddin Nagpuri (RA) returned to Kamptee after serving in the army, his state of absorption and ecstasy was at its peak. However, those who were ignorant of this knowledge compared his state of absorption to insanity. The incidents that followed made him renowned for bearing the powers of wonder-working. People started approaching him for their problems and the number of visitors increased rapidly. When the influx of visitors remained consistent with no distinction between day and night, Baba Tajuddin (RA) remarked one day, "People disturb me to a great extent. Now, I shall retreat to the madhouse."

Such circumstances transpired that he was admitted to the madhouse of Nagpur. The madhouse however, no longer remained a madhouse after his arrival. People of all sorts would pay him visits, and the administrative team and doctors of the madhouse took great care of him.

In that era, Shakardara, Waki and several other areas were under Raja Ragho ji Rao's territory. His daughter-in-law was due to give birth to a baby, and when the day of delivery approached, the doctors opined that the lives of both the mother and baby were in danger. The Raja rushed to the madhouse with his driver. When Baba Tajuddin (RA) was informed of the Raja's desire to meet him, he said, "I am a Faqir! What is it that the Raja wants from me?"

When the Raja approached him, Baba Tajuddin (RA) said, "What are you doing here? Go back, and celebrate the birth of a boy!"

When the Raja reached home, he heard the celebratory sounds of drums. Thus, the Raja became a devotee of Baba Tajuddin (RA) and brought him from the mad-

It is All in Two Plates

"Personalities like Baba Tajuddin (RA) are born once in thirty-five hundred years with the exclusive blessings of God Almighty..."

When one reflects on the meaning of the word truthfulness, they feel a surge of energy within them. In this one word, the energy of the entire universe is concealed. The levels of depth and enormity within this word is unknown to all, except God!

Each and every messenger of God has taught truthfulness. The heirs to these prophets, friends of God, have continued reiterating the same message. It is mentioned in the rules and regulations of the Sufi Order Azeemia, that a mind wrought with doubt cannot be an enlightened one.

The friends of God are free of doubt and are illuminated with faith. These pious friends of God, men and women, embody only pure thoughts, noble characters and their words are enriched with knowledge and enlightenment. One among them is Hazrat Baba Tajuddin Nagpuri (RA).

It is evident from the life stories of *Auliya Allah* (friends of God), that when people with high spiritual ranks are to be born, news of this is passed on to their parents in the form of dreams or other signs prior to their birth. Mariam Bi Sahiba (RA), mother of Baba Tajuddin (RA) had a dream that the moon was shining bright in the sky, and everything in the atmosphere was immersed in its light. All of a sudden, the moon rolled down like a ball from the sky and fell into her lap, and its light illuminated the worlds.

The parents of Baba Tajuddin (RA) passed away during his childhood and he grew under the care of his maternal grandmother. When he was employed in the armed forces, it was brought to his grandmother's awareness that he would most often disappear during the nights. Worried, she came to meet him one night and silently followed him and saw him entering a shrine. After some time, she went inside and saw that he was busy in the remembrance of God. Seeing this, she felt a burden being lifted off her chest. She returned without saying a word to him and prayed to God to keep him blessed.

The next morning, Baba Tajuddin (RA) was holding some small pebbles in his hands. When his maternal grandmother offered him breakfast, he pointed at the pebbles and remarked, "But Grandma, I eat these *laddoos* (a sphere shaped sweet)."

He then started eating the pebbles as if they were actually sweets. His grandmother remained silent having perceived the indica-

ships runneth upon the sea by His command?" (Quran, 22:65)

"God it is who hath made the sea of service unto you that the ships may run thereon by His command, and that ye may seek of His bounty, and that haply ye may be thankful." (Quran, 45:12)

"And hath made of service unto you the night and the day."

(Quran, 14:33)

Three Souls:

Prophet Muhammad (PBUH) says, "I observed four streams during the Night of Ascension."

There are three souls associated with four streams:

1.*Rooh-e-Azam* (The Great Soul)

2.*Rooh-e-Insani* (The Human Soul)

3.*Rooh-e-Hewani* (The Animal Soul)

The friends of God, who are the inheritors of Prophet Muhammad's (PBUH) knowledge and who are blessed with *Ilm-e-Ladunni* say:

There are two aspects of *Rooh-e-Azam* – the *Akhfa and Khafi.*

There are two aspects of *Rooh-e-Insani* – the *Sirri and Roohi.*

There are two aspects of *Rooh-e-Hewani* – the *Qalbi and Nafsi.*

These pious people have explained three levels of the universe.

* **A Record of the Universe's Knowledge:**

Noor Mutlaq – Nasma Mutlaq – Sabita – Rooh-e-Azam

* **Commands Related to the Formation of Life:**

Noor Mufrad – Nasma Mufrad – Aayan – Rooh-e-Insani

* **A Record of an Individual's Actions:**

Nasma Murakkab – Alam-e-Jo – Rooh-e-Hewani

Akhfa[1] is located at the middle of the head (central sulcus). Its colour is violet. *Khafi*[1] is on the forehead between the eyebrows, and it has a blue colour. *Sirri*[1] is located at the centre of the chest and has a green colour. *Roohi*[1] is located at the right-hand side of the chest and has a yellow colour. *Qalbi*[1] is on the left-hand side of the chest and has an orange colour. *Nafsi*[1] is located at one's navel and has a red colour.

Akhfa has a record of the *Tajalli* of God's knowledge, along with His reasons and secrets. This record can be read in the light of *Khafi*. *Sirri* has a record of God's commands about an individual in the signs of *Loh-e-Mehfooz*. The record related to species on *Loh-e-Mehfooz* can be read in the light of the subtlety of *Roohi*. A person can witness their own actions in the subtlety of *Qalbi* which can be read in the light of *Nafsi*.

11,500 *Tajalliat*: A person cognisant of *Rooh-e-Azam* witnesses about 11,500 *Tajalliat*[2] of God.

(Last Episode)

***

[1]One of the six spectrums of awareness (the six ·

[2]Plural of Tajalli

the fire is used to burn someone's home, it is tantamount to a bad deed because it has destruction in it. The qualities of fire are present in both cases; however, one is good and the other is evil.

Ilm-e-Qalam:

Prophet Muhammad (PBUH) is a trustee of *Ilm-e-Qalam* (Knowledge of the Pen) and *Ilm-e-Loh* (the knowledge of the Divine Tablet) and God is the Lord of all realms. God creates subsistence and the messenger of God, Prophet Muhammad (PBUH) distributes them with mercy.

The trustee of *Tajalli*, Prophet Muhammad's (PBUH) power of flight is beyond measure. Therefore, not only is his physical body free from the clutches of the time and space, but spatiotemporal limits are also under his control. Time and space were heavily reduced when God invited Prophet Muhammad (PBUH) to the Station of *Mahmood* to witness Him.

Time and space are subservient to the earth. The surface of the earth is space, and movement on the earth is time.

When we walk, we put one foot down and lift the other one in the air to take a step forward. The other foot travels through the void and then also touches the ground. If the other foot does not move through the void, it will not be possible to walk.

Every person can increase or decrease their pace as per their will. For example, someone strolls, another person walks relatively faster, a third one runs, a fourth rides on a bike, a fifth travels in a car and a sixth flies in an aeroplane. God has made spatiotemporal limits subservient to humans, therefore, they can travel on the earth and in the air as per the speed of their own will.

The whole universe is created from the *Noor* of the last prophet, Muhammad (PBUH). Due to this reason, he has the authority to do *Tasarruf* (transformation) over the earth, heavens and the whole universe. During the Night of Ascension, the speed of the *Buraq* increased infinitely as per the will of Prophet Muhammad (PBUH), and millions of years shrunk into a single moment.

A person walks in a park with the speed of three miles per hour, but another individual travels thousands of miles in an hour in an aeroplane. God says,

"And hath made of service unto you whatsoever is in the heavens and whatsoever is in the earth; it is all from Him. Lo! herein verily are portents for people who reflect." (Quran, 45:13)

"See ye not how God hath made serviceable unto you whatsoever is in the skies and whatsoever is in the earth and hath loaded you with His favours both without and within? Yet of mankind is he who disputeth concerning God, without knowledge or guidance or a Scripture giving light." (Quran, 31:20)

"Hast thou not seen how God hath made all that is in the earth subservient unto you. And the

i

Prophet Muhammad (PBUH)

The trustee of Tajalli, Prophet Muhammad's (PBUH) power of flight is beyond measure. Therefore, not only is his physical body free from the clutches of the time and space, but spatiotemporal limits are also under his control.

The beloved of God, Prophet Muhammad (PBUH) said,

"During this travel, I observed four streams. Two of them are visible and the other two flow in the inner."

People with the knowledge of *Ilm-e-Ladunni* (inheritors of the knowledge of Prophet Muhammad (PBUH)) say, "Humans reflect God's attributes. God's attribute is *Noor*, and *Noor* is a reflection of *Tajalli*."

"God is the light of the heavens and the earth. The similitude of His light is as a niche wherein is a lamp. The lamp is in a glass. The glass is as it were a shining star. (This lamp is) kindled from a blessed tree, an olive, neither of the east nor of the west, whose oil would almost glow forth, though no fire touched it. Light upon light, God guideth unto His light whom He will. And God speaketh to mankind in allegories, for God is the knower of all things."

(Quran, 24:35)

Rays of Noor

The First Noor: Humans are created from God's *Noor* and the *Noor* of Prophet Muhammad (PBUH) was created foremost. Humans are *Noor* (light) and there are thousands of generators within humans made of light. These generators are fed by four streams of *Noor*.

1. The Stream of *Tasweed*
2. The Stream of *Tajreed*
3. The Stream of *Tashheed*
4. The Stream of *Tazheer*

Tajalli is a veil between the *Kul Zaat* and *Yak Zaat*. From *Kul Zaat*, commands descend upon Prophet Muhammad (PBUH) through four streams – *Tasweed, Tajreed, Tashheed and Tazheer*. This shows us that the realisation of the will of God is first attained by Prophet Muhammad (PBUH). Through him, God's will transfers to *Bayt al-Mamur*, from where *Malaye Aala* (the angels of the higher realms) inspire it to others. This inspiration of right and wrong is then received by *Malaye Samawi* (the angels of the heavens) and from there it descends on *Malaye Arzi* (the angels of earth), who then inspire it to the creations. Human and jinn accept or reject these inspirations as per the authority given by God.

Our sensory world is based on the concepts of good and bad, and actions are based on intentions. For example, the attribute of fire is to burn. While cooking, the fire boils water and burns it. Thus, when water evaporates, food is cooked. This is a good and correct use of fire because this provides food for the creations of God. In contrast, if

jinn, who are mentioned in the heavenly books and the Quran. They are found across all the galaxies in the universe. God has created a system such that these three creatures have a very significant role in the process of creation. They send waves of inspiration to the entire universe and when these waves travel to a certain distance and reach a destined point, they take the form of manifestation.

I have already said that the thought, *Ana* and the individual are not different, and that they are all the same entity. Their meanings cannot be altered due to the different names given to them.

The question arises however, what is thought, *Ana*, and the individual? They are a collection of infinite experiences, such as hearing, sight, speech, love, sacrifice, speed, flight, etc. Each experience holds a certain dimension and shape. Nature has accumulated many such dimensions in such a way that despite being in multiple layers, they are united as one. A human being is a combination of thousands of such layers. The very same principle applies to jinn and angels. All three are distinguished amongst the other creatures due to the higher number of layers in them. Every layer is a living body. In the universe, there are bodies made up of a single layer, and then there are those made up of many layers too. However, the quantity of layers in a species of the same kind remain the same.

Humans inhabit innumerable planets, and it is impossible to presume their types. The same can be said about the jinn and angels. Every layer in these three creations is a separate entity by itself. Some layers remain active on the surface level while the others remain inactive. If a layer is active on the surface level, it is grasped by the consciousness. However, if it is not active, then it remains in one's subconsciousness.

Human beings refer to the workings of the active layer as invention or innovation, but they are unable to perceive the outcome of the hidden layers, which are grander and incessant in comparison.

The entire universe is brimming with the manifestations that are caused by hidden movements. This secret needs profound contemplation. These manifestations however, are not activated only by the subconsciousness of human beings. Human beings could not exploit their hidden potentials, and this is why, they could not remain connected to the far nooks and corners of the universe. The reason for this weakness is attributed to their own attitude. Why they have limited their scope of thinking is beyond their comprehension.

None of the creatures capable of overcoming spatiotemporal limits could fulfil the need of the thinking pattern prevalent in the universe. An entity was needed to fill this void. Therefore, to fulfil this, the angels and jinn were created. So far, human thought has not reached its optimum level, for they have not exploited their abilities to the fullest potential."

iii

There comes a point in this conversation where many cosmic secrets are unveiled. Listen to this carefully! Numerous things surface in our thoughts continuously. They come from the other realms. Human beings are affected by the thoughts of jinn and angels in a similar manner as they are affected by their own thoughts.

The Divine force keeps replenishing finite thoughts with the infinite. If this process is not carried out in this manner, it will break the matrix of relationships that exists between all creatures. The effect of the thoughts of one creation over another is also part of the above process. Human beings are restrained by clay, while the jinn are in the bounds of prime matter, and the angels are confined by *Noor* (Divine light). These are the three distinguished thoughts, and each of them is a universe in itself. If they do not remain connected to each other and exchange thoughts, it will lead to the disintegration of the universe. Although our own thoughts and experiences are confined to the consciousness of clay, due to the correlation between the three creations, we are also familiar with prime matter and other similar entities, at the intellectual level. Similarly, our intellect is also familiar with *Noor* and all its forms. It is now obvious that the information we have on prime matter and *Noor* have been transferred through the entities that are alien to us.

Thought is generally known as *Ana*. *Ana* or thought, is a combination of experiences that are cumulatively referred to as an individual. This is applicable to the stars and other particles too. It rarely occurs or does not occur to us at all, that we constantly communicate with the stars, particles and all creatures through our thoughts. The currents of *Ana* or 'waves of thought' not only inspire us abundantly, but also learn a lot from us too. This is how, the entire cosmic family communicates. Out of all other creatures, the angels and jinn hold great importance to us. They are both closer and more familiar to us in terms of thoughts and communication."

Nana Tajuddin (RA) was looking at the stars as he continued, "There is a strong relationship between human beings and the galaxies. The thoughts that we receive incessantly are sent to us from other systems and their inhabitants. We receive them through the medium of light. The short and long waves of light bring limitless information in the form of images along with them. In common language, we refer to these images as our perception, thought, concept and intellect. It is presumed that these stages are our own innovation, while, in reality, it is otherwise. The thinking patterns of all creatures are aligned to one central point. This central point assembles the images and inspires their meaning. The knowledge it inspires is according to the consciousness of the species. The species comprehend these images according to their personal intellect.

At this point, it is important to state that there are even more similarities in the actions of the three creations, namely, humans, angels and

further, saying that they have understood. The experiences about these creatures that are shared among people are not collective – they are all individual experiences. Could you please shed light on this matter?"

In my opinion, what Nana Tajuddin (RA) shared in this context is not merely a comment, but the combination of Divine knowledge he is blessed with. Nana Tajuddin's (RA) words reflect that he is a trustee of the universal secrets, and that he holds vast knowledge for contemplation for those with acumen. The manner in which he answered this question requires profound contemplation that how his thoughts are ingrained within the secrets of nature. Nana Tajuddin (RA) was laying down when this question was asked. His gaze was upon the sky as he replied,

"Mr. Raghu Rao! We have set our eyes on innumerable stars ever since our birth. There has hardly been a night when we have not looked towards the sky. Interestingly, it is usually said that the stars are before us, we are looking at them, and we are aware of the celestial world. However, we do not know what we are seeing, and remain oblivious of the world of stars and moon we claim to be aware of. It is beyond our scope to explain it. Whatever we say is nothing more than mere assumption. Even then, we believe that we know. What is more surprising is that when people claim of knowing something, we do not bother to think if there is any truth to their claim or not.

Comprehend, what I have said and then tell me how limited human knowledge is! Despite knowing nothing, they believe that they know too much. The celestial beings we are discussing are located at a far distance. Ponder upon the things that are part of one's daily routine too. Such as, the break of the day. What is the breaking of the day? What does it mean? We do not know. In response to the question on what day and night is, it is said, 'This is day and the night follows it.' This is the exact experience of mankind.

Mr. Raghu Rao, think! Will this answer ever satisfy a serious mind?

Day and night are neither the angels nor the jinn, but they are manifestations, and no one can deny their existence. You may say that one believes in the existence of night and day because the sight perceives them. However, it is important to understand that sight is assisted by thought. If thought does not work with sight, one is unable to express what they see. Thereby, it sums up that the entire functioning of senses is led by thought. Sight is merely a silent spectator; it is thought which gives life to experiences. Consider the other senses to be like sight too, you will draw the conclusion that they are all deaf, dumb and blind. This is because it is thought that enables the hearing and vision in them. Although, the senses and thoughts are believed to be two different entities, senses have no existence without thought. Therefore, be it human beings, angels or jinn, they are all merely a thought. In short, everything that exists is a thought.

i

Words of His Excellency

The maternal grandson of Nana Tajuddin (RA), Qalandar Baba Auliya (RA) narrates the following account about his grandfather:

Not only in special matters, but also in usual discourse, Nana Tajuddin (RA) revealed important points that gave direct insight into Divine law. At times, he said things that hinted towards the mechanism of wonder-working. As he spoke, listeners would instantly witness the principles of wonderworking unfolding before their eyes.

Sometimes, one could feel that waves of light were continuously being transmitted from Nana Tajuddin's (RA) mind to those who were present before him. While on the other occasions, as he sat silent, attendees would understand and feel everything that was on his mind. His attention, even without intent, worked on his visitors. Some expressed that this state of his helped them attain many blessings. It was very common for Nana (RA) to answer questions that rose in people's mind, without being asked. Although, he was not fluent in Urdu, his words contained such power that listeners would understand the gist of his thoughts perfectly.

The Maratha Raja, Raghu Rao, was an ardent devotee of Nana Tajuddin (RA). The Raja would present himself before Nana (RA) and place requests like he would before a deity. Once, Nana (RA) broke a statue in the Raja's temple which infuriated the priests. But to their surprise, Raja Raghu Rao remained unaffected. He smiled and said briefly, "Baba Sahib is also a deity. This is a matter between the deities, and they will settle it amongst themselves. It would be disrespectful for us to interfere."

These words, other than displaying the Raja's devotion towards Baba Tajuddin (RA), also indicate the reverence he had for spiritual personalities. Even those who are slightly familiar with the spiritual norms can tell that the Raja was inclined towards spiritual knowledge, and had the ability to attain it. At this point, it is important to recount a few conversations that took place between Nana Sahib (RA) and the Raja in my presence. During these conversations, other people also put forth their questions, and the entire gathering benefitted from Nana's (RA) wisdom.

Once, the Maharaja said, "Baba Sahib! The unseen creatures such as the angels or jinn are regarded as 'continuous stream of information'. References of such creatures are made in the Divine books. Similarly, every religion has shed light on the existence of evil spirits. However, the absence of rational or knowledgeable explanations in masses, leave them wondering about these creatures. And hence, they stop exploring

Contents

Words of His Excellency	Abdal-e-Haq Qalandar Baba Aulia (RA)	172
Prophet Muhammad (PBUH)	Extracted	168
It is All in Two Plates	Sohail Ahmed	165
The Sower and the Seeds	Abdul Rauf	159
The Soul and Science	Shazia Ali	155
Mother Nature's Court	Mahnoor Arif	149
Circle of Life	Bibi Anuradha (UAE)	146

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

"The unseen world is revealed to those who have neutral pattern of thinking."

— Qalandar Baba Auliya (RA)

Vol 8 Issue 7 | August 2020 | Dhul Hijjah _1441AH
Muharram _1442AH

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Monthly Karachi

Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in Chief
Huzoor Qalandar Baba Auliya[RA]

Chief Editor
Khwaja Shamsuddin Azeemi

Editor
Hakeem Salam Arif

Circulation Manager
Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.80/- Per issue. Annual subscription Rs.1080/- with Reg. Post (Domestic), US$ 70/- (International)

**Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town
Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020**